تاجدارِ ختمِ نبوت زندہ باد

ماہنامہ

الحقیقہ

پاکستان

مجلہ

شمارہ 05 جون 2020، شوال 1441ھ، جلد 20



اتباعِ رسول ﷺ

حیاتِ انبیاء علیہم السلام

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امتِ مسلمہ کی زبوں حالی

آئمہ محدثین اور اہلِ قبر سے استمداد



مہنگائی کا علاج اسلام کی نظر میں

(اداریہ)

جراتوں اور شجاعتوں کا قافلہ رواں دواں

فہرست

اے حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم

اے حبیب خدا، مظہر کبریا، شاہِ ارض و سما
سید الانبیا، بہر رب العلیٰ، ایک نظرِ عطا

باعثِ این و آں، محورِ کن فکاں، مرکز دو جہاں
آپ پر ہے عیاں، میری سب داستاں، از الف تا بہ یا

سید العارفیں، راحت العاشقیں، شاہِ دنیا و دیں
جاں سے بھی قریں، عرش پر جاگزیں، عرش سے بھی ورا

اے جمیل الشیم، تاجدار امم، سرِ لوح و قلم
فیضبار کرم، دافعِ رنج و غم، بحر جودو سخا

مطلع نورِ رب، مہر عرب و عجم، با ہزاراں ادب
آپ ہی سے ہے اب، آپ ہی کی طلب پورا ہو مدعا

اے حبیب ابر، خواجہ بحر و بر، مالک خشک و تر
شاہ جن و بشر، کیجئے در گذر میری اک اک خطا

عرض کیونکر کروں اور کس سے کہوں دل کا حال زبوں
لٹ گیا ہے سکوں، کرب از حد فزوں اے شہِ غمزدا

سرورِ انس و جاں، شاہ کون و مکاں، آپ کا آستاں
مرجعِ سائلاں، حامئی بیکساں ماحئ ابتلا

آرزو ہے یہی پہلی اور آخری، دل میں سب سے بڑی
ہو بسر زندگی اے حیات النبی عشق ہی میں سدا

اے شہ دوسرا، آپ ہیں آسرا، آپ ہی لیں بچا
کیسی چھائی گھٹا، کیسی اٹھی ہوا، کیسا طوفاں چلا

کیوں نہ کلفت مٹے، کیوں نہ آفت ٹلے، کیوں نہ راحت ملے
آپ دیں گے اسے، مانگے جو آپ سے، آسیؔ بے نوا

حضور مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسیؔ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

یونس-۶۲

ترجمہ: سُن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم

مجلہ الحقیقہ اداریہ

دفاعِ پاکستان کی ضرورت و صورت

پاکستان دوسرے ملکوں کی طرح کوئی عام ملک نہیں بلکہ یہ ایک ایسی مقدس مملکت ہے جسے اسلام کی تجربہ گاہ بنانے کے لیے حاصل کیا گیا تھا۔ اسی بنا پر یہ نگاہِ قدرت میں بہت محبوب ہے۔ اسے ہمیشہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اپنے سایۂ رحمت سے نوازا اور اولیاءِ کاملین نے اپنے تصرفات و کرامات سے اسے آفات و بلیات سے محفوظ رکھا۔ تحریکِ پاکستان کے دوران حضور پرنور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فتح کی بشارتیں دیں۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں اللہ والوں کی کرامات و تصرفات کا ظہور چپے چپے پر ظاہر ہوا۔ یہ ساری اور اس قسم کی اور بہت سی باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ پاکستان دنیا کے ممالک ہی میں نہیں، عالمِ اسلام میں بھی ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ اور یہ انفرادی حیثیت کیا ہے؟ یہی کہ اسلام کے نفاذ کے لیے اس کے حصول کی کوشش کی گئی، اسلام ہی کے لیے یہ وقف ہے اور اسلام ہی اس کا سرمایۂ بقا و استحکام ہے۔ اسلام کے بغیر نہ یہ زندہ رہ سکتا ہے اور نہ اس کے وجود کا جواز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اللہ والے پہلے ہی دن سے اس کے حامی و ناصر ہیں تو اللہ کے دشمن بھی پہلے ہی دن سے اس کے مخالف ہیں۔

پاکستان کے بارے میں یہ صورتحال اتنی واضح ہے کہ کسی اپنے بیگانے سے پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ وہ حکمران شیطان اور وہ وزیر بدتدبیر ہے جو اسلام دشمنوں کا آلہ کار بن کر اس ارضِ مقدس سے بیوفائی کرے گا۔ وہ خود تباہ و برباد ہو جائے گا اور رہتی دنیا تک کے لیے اس کا نام تاریخ کے بدترین ایمان فروشوں، ضمیر فروشوں اور وطن فروشوں میں شامل ہو جائے گا۔ چندروزہ حکومت اور ہمیشہ کی ندامت، کون بیوقوف ہے جو اس سودے پر راضی ہو مگر ہمارے کتنے ہی 'عوامی نمائندے' ایسے ہی بیوقوف ہیں، جن کا طرزِ عمل دانستگی یا نادانستگی میں ملک دشمن اور اسلام دشمن عناصر کے مفاد میں ہے۔ ہاں ہاں! اے پاکستان کے حاکمو! تمہارے سب ٹھاٹھ باٹھ، تمہاری یہ وسیع و عریض جاگیریں، یہ اونچے اونچے پلازے، یہ بنکوں میں بھاری اکاؤنٹس، یہ سب اسی وطن کی بدولت ہیں۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ وطن سلامت رہے گا تو تمہارا یہ سب کچھ سلامت رہے گا، اور اگر تمہاری ہی حرکتوں کی بدولت اس کی سلامتی پہ خدانخواستہ کوئی حرف آیا تو یہ سب بھی گیا۔

اے اہلِ وطن! گوشِ ہوش سے سنئے! مذکورہ بالا حکمران ہی وطن فروش نہیں، بلکہ ہمیں اپنی صفوں میں بھی ایسے بدکرداروں کو تلاش کر کے کیفرِ کردار تک پہنچانا ہوگا جو ہمارے عزیز ملک کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور اس کی سلامتی کے دشمن ہیں۔ اسلام اور پاکستان کے خلاف ناپاک پروپیگنڈا کرنے والی این جی اوز۔۔۔ وطن کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو بیہودہ ناچ گانوں، فلموں، نشے، نامناسب لباس اور معاشقوں پہ لگانے والے ٹی

وی چینلز۔۔۔نئی نسل کو فکری واخلاقی آوارگی اور مذہبی بیگانگی دینے والے عناصر۔۔۔قوم کو فرقہ واریت کے سیلاب میں بہانے والے۔۔۔ہمیں سندھی بلوچی پٹھان پنجابی سرائیکی تعصبات میں ڈالنے والے اتحاد و یگانگت کے دشمن۔۔۔اپنی کرپشن، رشوت ستانی، اور چوری سے ملکی خزانے کو نقصان پہنچانے والے دنیا کے یہ کتے۔۔۔افواجِ پاکستان اور محبِ وطن ایجنسیوں کے بارے میں عوامِ پاکستان میں بدگمانیاں بلکہ نفرتیں پیدا کرنے والے مردود۔۔۔وہ قرآنی و نبوی افکار جو ۱۴۰۰ سو سال سے اہلِ اسلام کے ایمان کا لازمی حصہ تھے (بالخصوص حیات النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا عقیدہ، ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مسئلہ، عقیدۂ ختمِ نبوت کے منکرین پر تختی کا معاملہ، امامِ حسین رضی اللہ عنہ کی حقانیت، اولیاء اللہ کا اسلام میں خاص مقام وغیرھم) پر بلا جواز تنقید کر کے اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات اور مسلمانوں کو باہم دست وگریبان کرنے والے۔۔۔یہ سب کے سب ہمارے ملک کی جڑوں کو بھی کھوکھلا کر رہے ہیں اور اسلام کے ساتھ بھی ان کا رویہ معاندانہ ہے۔انفرادی واجتماعی سطح پر ان کے تدارک کے لیے کاوشیں ضروری ہیں۔اور ان بے ایمانوں کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ:

اسلام سے جس نے بے وفائی کی ہے   دیکھا نہیں اس کا کبھی انجام بخیر   (اکبر)

پاکستان کو جہاں داخلی سطح پر مذکورہ بالا اقسام کے ضمیر فروش اور ایمان فروش لوگوں کا سامنا ہے، وہاں **خارجی محاذوں** پر امریکہ جیسے عیار، اسرائیل جیسے بے حس اور انڈیا جیسے درندہ صفت دشمنوں سے پالا پڑا ہے۔امریکہ کی انسانیت کش اور اسلام مخالف سرگرمیوں سے کون واقف نہیں۔پوری دنیا کے مسلمان اس کی بربریت کا شکار ہیں۔۲۴ جنوری (۲۰۰۵ء) کے نوائے وقت لاہور کے اداریئے کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''عراق پر امریکی قبضہ کے بعد امریکہ کی دنیا بھر میں دانستہ کوشش ہے کہ عالمِ اسلام کو شیعہ سنی بلاکوں میں تقسیم کر دے اور دونوں کے درمیان مفادات اور مذہبی اختلافات کی جنگ شروع کرادی جائے''۔

عراق، لیبیا، افغانستان، شام وغیرہ اسلامی ممالک میں لاکھوں انسانوں کا یہ **بے رحم قاتل** دنیا بھر میں انسانی حقوق کے ایوارڈ تقسیم کرنے کا ٹھیکیدار بھی بنا ہوا ہے۔دنیا کے خطرناک ترین میزائلوں اور کیمیائی ہتھیاروں سے معصوم نہتے مسلمان بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو بے دردی سے مارنے سے پہلے ان کو ''خطرناک ترین دہشتگرد'' بھی ڈکلیئر کرتا ہے۔حال ہی میں اس نے پاکستان کو اقلیتوں کو مذہبی آزادی نہ دینے والا ملک قرار دیا ہے، جبکہ انڈیا کی طرف سے کشمیر میں ہونے والے مظالم، ۲۰ لاکھ انڈین مسلمانوں کی شہریت ختم کرنے والا غیر انسانی قانون، اور اقلیتوں پر کیے جانے والے وحشتناک تشدد کے باوجود اس کے ساتھ کھڑا ہے۔یہ بھی دیکھیں کہ حالیہ دنوں فرانس میں ایک تحقیقاتی ٹیم نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ ۱۹۷۹ء سے اگست ۲۰۱۹ء تک دنیا بھر میں شدت پسندوں کی دہشتگردی کا سب سے زیادہ 90% شکار مسلمان رہے ہیں۔جن میں ایک لاکھ ۶۷ ہزار مسلمان شہید ہوئے جبکہ ایک لاکھ ۵۱ ہزار ۴ سو ۳۱ زخمی ہوئے (جنگوں کی نذر ہونے والے مسلمانوں کے علاوہ)۔(روزنامہ خبریں: ۱۵ نومبر ۲۰۱۹ء)

تازہ ترین صورتحال یہ ہے کہ پاکستانی بارڈرز پر انڈیا اپنی فوج آگے لے آیا ہے۔دن رات ہر قسم کا اسلحہ، ٹینک، میزائلز لائن آف کنٹرول پر اکٹھا کر رہا ہے۔اسرائیلی میزائلز براہموس وغیرہ کی تنصیب کر چکا ہے۔اسرائیل کے جنگی ماہرین، جدید ترین ٹیکنالوجی اور طیارے انڈین فوج کی پہلی صف میں موجود ہیں۔ایجنسیوں کی اطلاعات یہ ہیں کہ انڈیا کسی بھی وقت آزاد کشمیر اور چونڈہ سیالکوٹ وغیرہ کی سرحدوں پر جنگ چھیڑ سکتا ہے۔اور مقبوضہ کشمیر کے بعد آزاد کشمیر ہتھیانے کی اس اسکیم میں اسے امریکہ و اسرائیل کی مکمل اشیرباد اور سپورٹ حاصل ہے۔جبکہ کسی بھی قسم کی غیر معمولی صورتحال میں ہمارے 'اپنے' ہمارا ساتھ دینے کو آمادہ نہیں۔یعنی سارا عالمِ کفر ہماری تاک میں ہے جبکہ عالمِ اسلام اپنی کچھ معاشی مجبوریوں اور کچھ 'جذبۂ غلامی' سے مجبوری کے سبب ہماری محض 'اخلاقی حمایت' تک محدود ہے۔

ایسے میں ہمیں کیا کرنا ہے؟ ہمیں اپنے بقا کی جنگ لڑنا ہے اور اپنے زورِ بازو پہ اللہ جل مجدہٗ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نصرت کی امید پہ لڑنا ہے۔حکومتِ وقت کو چاہئے کہ اقوامِ متحدہ، او آئی سی، سعودیہ، امریکہ کے دروازوں کو کھٹکھٹانے کی بے سود کوششیں بند

کرے اور آئی مصیبت کو FACE کرنے کے لیے اپنے عوام کی ذہن سازی کا آغاز کرے۔ اللہ کا اعلان ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ... (الانفال:۱۵)

اے ایمان والو! جب کافروں کے لشکر سے تمہارا مقابلہ ہو تو انہیں پیٹھ نہ دو (ان کا مقابلہ کرو)۔ (کنزالایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان بھی واضح ہے:

''دشمن سے لڑنے بھڑنے کی تمنا مت کرو۔ ہاں! اگر جنگ شروع ہو جائے تو پھر صبر سے کام لو (اور ثابت قدم رہو)۔'' ..... (بخاری:۳۰۲۶۔ مسلم:۴۵۴۱)

مسلمانوں کا جذبۂ جہاد حکومت اپنا سرمایہ سمجھے جبکہ ان کے شوقِ شہادت کو اپنا ہتھیار۔ چنانچہ علماء و مشائخ کے تعاون سے اہلِ پاکستان میں جذبۂ جہاد کو اجاگر کرے۔ یقین کریں جب اس وطن کی نگہبانی دس یا بارہ لاکھ فوجی ہی نہیں بلکہ ۲۰ یا ۸ کروڑ پاکستانی مجاہدین بھی کریں گے (اور اپنی بقا کے نام پہ کریں گے) تو پھر کسی مردود انڈین کی جرأت نہیں ہوگی ہماری پاک دھرتی پہ قدم بھی رکھنے کی۔ یعنی دوسروں پہ تکیہ کرنے کی بجائے اپنوں پہ بھروسہ کیا جائے۔

دوسری بات! دفاعی نقطہ نظر سے دیکھیں تو بھی ہم کسی سے کم نہیں۔ ہمارے پاس دنیا کی بہترین فوج، بہترین جاسوسی نظام (آئی ایس آئی وغیرہ) اور دنیا کا بہترین میزائل سسٹم ہے۔ اور اس اعتبار سے سب سے بڑی بات کہ ہم ایٹمی طاقت ہیں۔ ہمارے پاس زمین سے زمین پر ہدف بنانے والے میزائلز کی 4 کیٹیگریز ہیں۔ پہلی کیٹیگری ٹیکٹیکل فیلڈ رینج بیلسٹک میزائل کی ہے جس میں حتف 50 کلومیٹر، نصر 70 کلومیٹر اور ابدالی 200 کلومیٹر تک ہدف کو نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دوسری کیٹیگری شارٹ رینج بیلسٹک میزائل کی ہے جس میں غزنوی 300 کلومیٹر اور شاہین ون 750 سے 900 کلومیٹر تک ہدف کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ تیسری کیٹیگری میڈیم رینج بیلسٹک میزائل کی ہے جس میں غوری ون 1500 کلومیٹر، غوری ٹو 1800 کلومیٹر ابابیل 2200 کلومیٹر، شاہین ٹو 2500 کلومیٹر اور شاہین تھری 2750 کلومیٹر تک ہدف کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ چوتھی کیٹیگری کروز میزائل کی ہے جس میں بابر ون حتف سیون 700 کلومیٹر، بابر ٹو حتف سیون 750 کلومیٹر اور رعد حتف ایٹ 550 کلومیٹر تک ہدف کو نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہمارے یہ میزائل دشمن کے تمام بیلسٹک میزائلز اور دیگر ایئر ڈیفنس سسٹم کو تباہ کرنے کے ساتھ ساتھ انڈیا کے ہر شہر کو ہوا میں اڑانے کی مکمل صلاحیت کے حامل ہیں۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْد۔ کبھی وہ وقت بھی تھا کہ ہمارے اسلاف نے بے سروسامانی کے عالم میں ننگے پاؤں اور بھوکے پیٹ کفر کے ایوانوں میں لرزہ طاری کر دیا تھا۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں ۱۰۰۰ کفار کے مقابلے میں ہم ۳۱۳ تھے، احد میں ۳۰۰۰ کے مقابلے میں ۷۰۰ تھے، احزاب میں ۱۰۰۰۰ کے مقابلے میں ۳۰۰۰، خیبر میں ۱۴۰۰۰ کے مقابلے میں ۱۶۰۰، موتہ میں ایک لاکھ کے مقابلے میں محض ۳۰۰۰، حنین میں ۲۰۰۰۰ کے مقابلے میں ۱۲۰۰۰، یرموک میں ۲ لاکھ ۴۰ ہزار کے بالمقابل ۴۰ ہزار، یمامہ میں ۴۰ ہزار کے مقابلے میں ۱۳۰۰۰ تھے، کسی جنگ میں ہمارے پاس تلواریں بھی پوری نہ تھیں مگر پھر بھی ہم غالب تھے، کیوں؟ کیونکہ قرآن کا اعلان ہے؟

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ... (آلِ عمران:۱۳۹)

اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ، تم ہی غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔ (کنزالایمان)

یعنی ہماری فتح کا دارومدار ہمارے مومن ہونے پر ہے۔ مطلب یہ کہ اگر اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت و غیرت اور ان پر غیر متزلزل یقین ہمارے دلوں میں موجود ہے تو پھر گھبرانا نہیں بنتا۔ حکومتِ وقت ہمت کرے، پھر دیکھیں خدا کیسے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے طفیل ہماری مدد فرماتا ہے۔ اس کا اعلان ہے:

سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ... (انفال:۱۲)۔ یعنی عنقریب ہم کافروں کے دل میں تمہارا رعب ڈال دیں گے۔

آزمائش شرط ہے۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ (آمین بجاہ النبی الکریم الامین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم)

دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس میں کیا شک ہے کہ اس وقت قوم کا سب سے بڑا روگ باہمی انتشار ہے، اسی کی بنا پر ہم اقوام عالم کی رہنمائی کرنے کے بجائے ذلیل اور رسوا ہو رہے ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ سارے زمانے میں ہماری دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور کسی کو ہمارے سامنے کی تاب نہیں تھی۔ زمانہ ہم سے پوچھ کر چلتا تھا اور ہم دنیا کے فیصلے کرتے تھے، ایک آج صورت حال ہے خدا دشمن اور مذہب بیزار ہر طبقہ ہمیں اپنے اشاروں پر نچاتا ہے اور ہم ناچ رہے ہیں۔ زمانہ ہمیں ذلیل دیکھنا چاہتا ہے، ذلیل کرنا چاہتا ہے اور ہم اپنی ذلت پر مسرور و شادماں ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمیں مٹانے کی کوششیں کرنے والے اپنی کوششوں میں ہمیں کو اپنا آلہ کار بناتے ہیں اور ہم اسے بھی اپنے حق میں اپنا اعزاز سمجھتے ہیں۔ ملت کا تصور ہی مسلمانوں کے ذہنوں سے نکالا جا رہا ہے اور ایک ایک کر کے سب کو تباہ و برباد کرنے کی منصوبہ بندی ہو رہی ہے مگر اپنے بھائیوں کی تباہی و بربادی کو ہم اپنا مسئلہ سمجھتے ہی نہیں۔ افغانستان میں کیا ہوا، ملت بڑی بے غیرتی سے چپ سادھے رہی، دشمن کے منہ کو خون لگا تھا اس نے عراق میں اپنا خونی ڈرامہ دہرایا اور کسی مسلمان ملک کو مذمت تک کی توفیق نہ ملی، اب دشمن شام اور ایران کو دھمکیاں دے رہا ہے، مگر ہمارے خون میں کوئی حرارت پیدا نہیں ہوئی۔ تو آخر اس کا سبب کیا ہے۔ ہم اپنے آباد اجداد کے بالکل برعکس کیوں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں؟ اس کا ٹھیک ٹھیک جواب تو وہی ہے جو جواب شکوہ میں دیا گیا ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر　　　اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

قرآن پاک سے رشتہ کب چھوٹا، جب امت کے والی، کونین کے آقا، دارین کے ملجا و ماویٰ حضور ﷺ سے تعلق کمزور ہوا ہے۔ یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی ذات ہے جس کے وسیلے سے خدا کا عرفان حاصل ہوتا ہے، قرآن سے سکون ملتا ہے، امت کی تشکیل ہوتی ہے اور "ملت" کا قوام تیار ہوتا ہے۔ نبی سے امت کا رابطہ و واسطہ منقطع کرنے کی کوشش کامیاب ہو جائے تو دین حق کی ساری عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے چنانچہ یہ منصوبہ دشمنوں نے بنایا اور بظاہر بعض موثر مسلمان علما اور رؤسا کو خرید کر انھیں آلہ کار بنایا جنھوں نے آیات و روایات کے زور سے امت کو عشق رسول، ذکر رسول اور ادب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے محروم کرنا چاہا۔ امت کا جذبہ عشق کمزور ہوا تو جذبہ جہاد اور شوق شہادت بھی ماند پڑ گیا۔ نئے نئے عقائد اور ان کے عجیب عجیب دلائل گھڑے گئے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اختیار کا انکار کیا اور آپ مختار بن گئے پھر جو چاہا فیصلہ دیا۔ پاکان امت سے اعتماد اٹھانے کا سبق دیا مگر اپنے آپ کو حجت قطعیہ ظاہر کیا۔ صدر اسلام سے جو تفاسیر ملی ورثے کا درجہ رکھتی تھیں انھیں غیر معتبر گردانا اور اپنے ذہن ناپاک میں جو مضمون آیا، اسے قرآن کے حوالے سے پیش کیا۔ جن پاکیزہ رسوم کی بنیاد کتاب و سنت میں موجود تھیں اور کئی صدیوں سے پاکان امت کے معمولات میں شامل تھیں انھیں 'بدعت' کہا اور خود اپنی بدعت کو سنت کا نام دیا۔ مختصر یہ کہ اغیار نے 'ایمان' کی قیمت پر خریدا اور ملت میں انتشار و افتراق کے کام پر لگا دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسا بکنے والے 'غدار' ہوتے ہیں۔ مگر غدار چونکہ عیار و مکار تھے انھوں نے اپنی غداری پر تقویٰ کا غلاف چڑھا دیا

شراب کی بوتل تھی اس پر دودھ کا لیبل لگادیا۔ بات بات پر آیت وحدیث پڑھ دیتے تھے۔ لوگوں میں محقق کہلائے۔ پیروں سے دور کرنا تھا خود پیر بن گئے۔ غرض عیاریوں، مکاریوں، چالوں اور سازشوں سے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی امت کو مرکز سے دور کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہوگئے۔ ہاں قوم کا شیرازہ بکھیرنے میں انھیں کامیابی حاصل ہوئی۔

قوم کا نظام درہم برہم ہوا تو ایک عقیدہ بھی ان کی دستبرداری سے پوری طرح محفوظ اور متفق علیہ نہ رہا۔ جن لوگوں نے اس انتشار کو روکنا چاہا اور ملی ورثے کی حفاظت کو اپنا مقصد حیات بنالیا، انھیں کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنالیا۔

مثلاً نبوت ہی کی طرف آیئے جوملت کی عمارت کا ایک بنیادی پتھر ہے۔ نجد و دیوبند کے معماروں نے اسی کو جگہ سے ہٹانے کی کوشش کی۔ نبی کے کمالات علمی وعملی کا انکار ہی نہیں کیا بلکہ ان کو جو خصوصیات انکے رب نے عطا فرمائی تھیں، ان کا انکار بھی شروع کردیا گیا۔ علم غیب کا نبوت سے کیا تعلق ہے جب بھی اس سوال پر بحث ہوئی صدر اسلام سے اب تک نبوت کی تفسیر علم غیب کے حوالے سے ہی کی گئی۔ مثلاً متکلمین کے ہاں نبوت کی تعریف ہی اس طرح کی گئی۔

النبوۃ التی ہی الاطلاع علی الغیب ترجمہ:۔ نبوت غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے۔

دراصل نبی ہی عالم غیب کا تعارف کراتا ہے۔ جنت ودوزخ، حوروملک، برزخ اور اس کے احوال، قیامت، میزان اعمال پل صراط سب غیبی حقائق ہیں انکی دلیل اول نبی کی زبان ہی ہوتی ہے۔ نبی کی غیب دانی کا انکار گویا اس کی نبوت کا انکار ہے مگر لوگ بکتے رہے، پھر بکتے رہے اللہ اپنے نبی کی نبوت کا ثبوت دینے کیلئے اسے علم غیب ہی نہیں گونا گوں تصرفات وکمالات عطا فرماتا ہے تاکہ دنیا پر ظاہر ہوجائے کہ وہ قادر مطلق کا نمائندہ اور دوسرے انسانوں سے بہت بلند وبرتر ہے۔ مگر دشمنوں کے غلاموں نے آیات وروایات کے مخصوص ترجموں سے پورا زور ان کے کمالات وتصرفات کے انکار پر صرف کردیا تاکہ دوسرے لوگوں سے ان کی برتری ظاہر نہ ہونے پائے اور پھر مثلیت ومساوات ثابت کرنے کیلئے انھیں اپنے جیسا بشر کہنے لگے یہ سب کچھ ان کا ادب وعشق روکنے کیلئے تھا تاکہ امت ان کے فیض سے محروم رہے خصوصاً اس سلسلے میں انکار کا زیادہ زور اس نبی کے کمالات کی طرف رکھا جس کا خود بھی کلمہ پڑھتے تھے اور جو تمام نبیوں کا بھی نبی ہے (علیہ الصلوٰۃ السلام) سچ فرمایا حکیم الامت نے

خرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے ان کلمہ پڑھنے والوں کی ضد کا حال یہ ہے کہ شاید کسی بھی نبی علیہ السلام کے کمالات کا انکار اس شدومد نہیں کرتے جتنا اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا کرتے ہیں مثلاً ان سے آدم علیہ السلام کی خلافت، ابراہیم علیہ السلام کی خلت، داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر کیا جائے تو عموماً سیخ پا نہیں ہوتے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ذکر آجائے تو ان کے چہرے کا رنگ ہی بدل جاتا ہے جیسے ان کا اصل مقابلہ اسی ذات پاک سے ہے جو اللہ کی سب سے بڑی مظہر ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم انبیاء کرام علیہم السلام کے سردار و امام ہیں، اللہ نے آپ کو سب نبیوں سے افضل کیا ہے اور کچھ خصوصی القاب ونوازشات سے بھی نوازا ہے۔ مثلاً رحمۃ للعلمین، خاتم النبیین۔ علمائے نجد و دیوبند نے ایسے مواقع پر بڑے خاموش طریقے سے ان کی تخصیص کو کم کرنے کی سعی ناپاک کی ہے، لفظ رحمۃ للعلمین حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کیلئے خاص ہے چنانچہ سورۃ الانبیاء میں رب تعالیٰ نے کئی پیغمبروں کا ذکر خیر کیا ہے۔ ان کی سیرت وعظمت کو بیان کیا پھر سب سے آخر میں حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ذکر خیر فرمایا اور وہ بھی رحمۃ

للعلمین کے لقب سے۔

﴿..... وما ارسلنک الا رحمۃً للعلمین......﴾

ترجمہ: اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کیلئے۔

مگر نجدیت کے دیسی علمبرداروں نے اپنے ''ملاؤں'' کو بھی رحمۃ للعلمین بنا دیا بلکہ ان کے غوث اعظم رشید احمد گنگوہی نے فتاوئ رشیدیہ میں کھلی چھٹی دے دی کہ ہر مسلمان کو رحمۃ للعلمین کہہ سکتے ہیں (معاذ اللہ) اللہ نے جو نام کسی دوسرے نبی کو بھی عطا نہیں فرمایا دیوبندیوں کے نزدیک ایسا عام ہے کہ جس مسلمان کو چاہو رحمۃ للعلمین کہہ دو۔ اسلام کی ساری تاریخ کھنگال ڈالیں حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے یہ انداز بغاوت کہیں نہیں ملے گا۔ خاتم النبیین یعنی آخری نبی بھی کسی اور کیلئے استعمال نہیں ہوسکتا۔ خدا کا شکر ہے علماء دیوبند سے اس حد تک ضرور محفوظ رہا (کہ انھوں نے اسے کسی اور کیلئے استعمال نہیں کیا) ہاں اتنا ضرور کیا کہ اس کے معنیٰ ہی بدل ڈالے ان کے نزدیک اس کا مطلب آخری نبی نہیں جیسا کہ امت آج تک سمجھتی رہی ہے نیز ان کے نزدیک آخری نبی ہونا، کوئی فضیلت کی بات ہی نہیں، خاتم النبیین کے مفہوم میں یہ تبدیلی مولنا محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند نے 'فرمائی' انھوں نے جو کچھ کہا وہ مرزائی مرتدین کی دلیل بن گیا نانوتوی صاحب کو بھی اعتراف ہے کہ ان سے پہلے کسی نے یہ معنیٰ نہیں کیے۔ اور مرزائی بھی یہی کہتے ہیں کہ خاتم النبیین کا معنیٰ صرف ایک مولوی قاسم سمجھا اب وہ لوگ جو سرمایہ ملت کا تحفظ چاہتے ہیں، سوچیں جب دیوبند کے بانی کا یہ حال ہے اور گویا قصر دیوبند کی خشت اول کا یہ عالم ہے، باقی عمارت کی کجی کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ کیونکہ

خشت اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا می رود دیوار کج!

دیگر کمالات نبوت کا انکار کیا گیا تھا توحید کا بہانہ بنا کر یعنی حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو حاضر و ناظر، دانائے غیوب، معین و مددگار، فریادرس حاجت روا اور مشکلکشا کہنا اس لئے شرک ہے کہ یہ سب صفات اللہ کی، مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے خاتم النبیین بمعنیٰ نبی آخر ہونے کا انکار توحید کے حوالے سے نہیں ہوسکتا تھا، اسے مولانا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی خیر خواہی کے حوالے سے پیش کیا یعنی خاتم النبیین کا معنیٰ آخری نبی کیا جائے تو اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی فضیلت نہیں، اگر اس کا معنیٰ افضل النبیین کیا جائے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شان ظاہر ہو جاتی ہے۔

پوچھنا تو یہ ہے کہ ملت کے بہی خواہ بتائیں کہ کیا عقیدہ ختم نبوت اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل نہیں اور اگر یہ واقعی بنیادی عقیدہ ہے تو اس کا انکار ملت کے نظام میں رخنہ اندازی ہے یا نہیں۔ ملت کا اتحاد چاہنے والے سوچیں اس رخنہ اندازی کا کیا علاج ہے۔ علمائے دیوبند نے بعد میں اس عنوان سے مجلس ختم النبوت جیسی تنظیمیں بنائیں اور یہ تصریح بھی کہیں کہیں کر دی کہ جو شخص خاتم النبیین کے معنیٰ آخری نبی نہیں کرتا، کافر ہے، مگر قاسم نانوتوی کی عبارت ان کے سامنے آئی تو فتویٰ بھول گئے اور اسے کافر کہنے کے بجائے، قاسم العلوم والخیرات، کا لقب دیا اگر کسی کو اپنے نبی کی شرم تو نہ ہو مگر اپنے باپ، استاد یا پیر کی عظمت کا خیال ہی پیش نظر ہو تو فرمائیے کیا اس پر حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا حکم '' لا یو من '' (یعنی وہ مومن نہیں) لاگو ہوتا ہے یا نہیں، اس صورت میں فرمائیے انتشار کون پھیلا رہا ہے اور قوم کو اتحاد کا سبق کون دے رہا ہے، اور کیا انتشار پھیلانے والا اور اتحاد کی کوشش کرنے والا دونوں برابر ہیں، نہیں ہرگز نہیں، یقیناً جس نے خاتم النبیین کے معنیٰ بدلے وہ مفسد اور فتنہ پرداز ہے اور جو اس کا مقابلہ کرتا ہے، وہ ایمانی و اسلامی غیرت کا مظاہرہ کر کے قوم کو مرکز و اتحاد کی طرف بلا رہا ہے، علمائے نجد و دیوبند نے نبوت کے کمالات کا انکار کیا اور عقیدہ ختم نبوت پر ضرب لگائی۔ علمائے اہل سنت نے مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کی قیادت میں ملت کے ورثے کی حفاظت کی اور انتشار و انحراف کی راہ چلنے والوں کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کی۔ کوئی ملت کا سچا ہمدرد اگر اس صورت حال کو نہ سمجھے گا اور مصلح و مفسد کو برابر سمجھے گا تو اصلاح کیسے کر سکے گا۔ جن

عقائد کی ایجاد سے اسلام کا ایوان ہی معاذ اللہ ڈھے جاتا ہے، ان پر ڈٹے رہنا اور خود کو مصلح کہنا، کیا مدینہ منورہ کے منافقین بھی کچھ نہیں کرتے تھے۔

" واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض قالو انما نحن مصلحون" (البقرۃ......۱۱)

ترجمہ: اور جوان سے کہا جائے زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں کہ اصلاح کرنے والے ہیں۔

لہٰذا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے اور فرمایئے! ۔ کیا علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں

پھر فرمایئے نبی کیلئے سچ بولنا کتنا ضروری ہے!

دنیائے غیب کا تعارف اسی کی زبان سے ہوتا ہے ورنہ اس کی اور کوئی دلیل نہیں ہوتی جس سے دل کو اطمینان ہو، خدانخواستہ اگر اس کی صداقت بھی مشکوک ہوجائے تو تبلیغ کا آغاز بھی ناممکن ہے، حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے بھی پہلے سے نبی ہیں، اس کے باوجود دنیا میں چالیس سال سے پہلے آپ کی بعثت نہیں ہوئی، کیوں؟ معاشرہ آپ کی عظمت کردار اور صداقت بیان پر پوری طرح سے مطمئن ہوجائے، چنانچہ اہل مکہ مطمئن ہوگئے اور انھوں نے بیک زبان آپ کو الصادق اور الامین کہنا شروع کردیا اور ان سے ان کی مراد یہ تھی جھوٹ معاذ اللہ آپ کی زبان پر آ ہی نہیں سکتا اور معاذ اللہ بددیانتی کسی صورت آپ سے ممکن ہی نہیں، چالیس سال کی عمر مبارک تک جب ان کا مشاہدہ یہ فیصلہ کر چکا حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی بعثت ہوئی حتی کہ ابو جہل کو بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے صدق میں کوئی شک نہیں تھا، چنانچہ بدر کو جاتے ہوئے جب اخنس بن شریف نے اس سے تنہائی میں پوچھا تو بولا

" واللہ ان محمد ًالصادق " وما کذب محمد" قط" (الشفاء...... جلد ۱)

ترجمہ: اللہ کی قسم، محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) سچا ہے اور آج تک محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) نے کبھی جھوٹ نہیں بولا،

اس نے پھر تصریح کی کہ ایمان نہ لانے کی وجہ گویا قبائلی حسد اور جذبہ تقابل ہے اگر خدانخواستہ زبان نبوت ہی مشکوک ہو تو اس کی بتائی ہوئی توحید، لائی ہوئی کتاب، اور دوسری اعتقادی و عملی تعلیم کی صداقت پر کیا بھروسہ ہوگا۔ جھوٹ ہی نہیں ہر نبی کا ہر گنا سے معصوم ہونا ضروری ہے، بعثت سے پہلے بھی اور بعد بھی مگر بانی دار العلوم دیوبند نے نبوت کا جو تصور دیا، کتنا ہولناک ہے، ان کا کہنا ہے۔

پھر دروغ صریح بھی کئی طرح پر ہوتا ہے۔ جن میں سے ہر ایک حکم یکساں نہیں، ہر قسم سے نبی کو معصوم ہونا ضروری نہیں۔ (تصفیۃ العقائد)

فرمایئے نبوت کے بارے میں یہ تصور نانوتوی صاحب سے پہلے کس نے دیا اور اسی کو قبول کرلیا جائے تو توحید سے لیکر عام عمل تک اسلام کی کونسی شے شک وشبہ سے محفوظ رہے گی۔

عموماً دیوبندی بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ شور مچاتے ہیں کہ انگریزوں نے اپنے مقاصد حکومت کیلئے مسلمانوں میں گروہ بندی کی۔ فرمایئے، اگر واقعی انہوں نے امت کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرنے کیلئے خریدا تھا تو یہ کون تھے؟ جو اسلام کے گلشن کا خون جگر سے دفاع کررہے تھے یا وہ جو انبیاء علیہم السلام کی توہین کرکے سارے نظام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کررہے تھے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ انگریزوں نے دہلی میں ایک عربی کالج کھولا تھا جس کے گویا وائس پرنسپل مولانا عبدالعلی نانوتوی تھے اور وہ مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کے اور دیوبندیوں کے غوث اعظم مولانا رشید احمد گنگوہی کے استاذ ومربی تھے۔ یہ حقیقت اگر پیش نظر رہے تو کیا یہ سمجھنا مشکل ہے کہ تاریخ اسلام میں خاتم النبیین کا معنی بدلا گیا۔ یا نبوت کے ساتھ دروغ صریح کو ضم کرنے کی معاذ اللہ جو کوشش کی گئی ہے، یہ ادھر سے اشارہ پا کر ہی تھا، یا انھیں کی تربیت کا نتیجہ تھا۔

اتحاد ملت یقیناً ضروری ہے مگر جب تک اس قسم کے دین فروش لوگوں کو جو ملت ہی کے اعتقادی ورثے کو ہی لوٹنا یا لٹوانا چاہتے ہوں سمجھا جاتا اور ان کی شرارتوں سے قوم کو محفوظ نہیں کرلیا جاتا، اتحاد ملت کی کیا صورت ہوگی۔

آئمہ محدثین اور اھل قبر سے استمداد

ازقلم سرمایہ اسلام علامہ مفتی ڈاکٹر محمد اشرف جلالی - تلخیص علامہ سعید آسوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم (قسط:اوّل)

<u>رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی اپنی امت کو قبور کے لحاظ سے رہنمائی:</u>

عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا..... (صحیح مسلم۔ کتاب الجنائز۔ باب اسْتِئْذَانِ النَّبِيِّ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ اُمِّهٖ۔ ج ا۔ ۳۱۴۔ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ترجمہ: حضرت ابن بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ اپنے باپ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہیں میں نے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم قبروں کی زیارت کیا کرو۔

یعنی آغاز میں تو زیرتِ قبور سے منع کیا گیا لیکن اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی اور خود شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جاتے رہے۔ آپ کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کا بھی یہ عمل رہا، پھر تابعین سے لے کر آج تک امت مسلمہ کا یہ عمل موجود ہے۔ ہمارا موضوع صرف آئمہ محدثین کے لحاظ سے ہے اور اس وقت یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ صرف زیارتِ قبور کے قائل ہی نہیں تھے بلکہ قبور کا احترام اور ان کی تعظیم بھی کرتے تھے نیز وہاں جانے کو اپنے لیے مفید سمجھتے تھے۔ وہاں پہنچ کر اللہ تعالی کے دربار میں اپنی مشکلات پیش کرتے تھے اور اہل قبور سے استمداد (مدد طلب کرنا) کے نتیجے میں ان کی مشکلات حل ہو جاتی تھی۔

<u>زیارتِ قبور کے لحاظ سے آئمہ محدثین کے معمولات:</u>

جو عمل ہم آئمہ محدثین کا پیش کرنا چاہتے ہیں، یہ ایک طبقہ کے تقاضا کے مطابق ہے۔ جب کسی فقیہہ، صوفی، زاہد و سالک کا عمل ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ محدث کی ترجیح کو بیان کرتے ہیں اور محدثین کی قدر و اہمیت کا احساس دلاتے ہیں کہ محدثین کی سنت پر پابندی (ان لوگوں کے بقول) زیادہ ہے۔

اس لیے آج ہم محدثین میں سے جو آئمہ محدثین ہیں، ان کا عمل پیش کریں گے کہ وہ اپنی زندگی میں قبور کی کس قدر حاضری دیتے تھے اور اگر ان سے یہ بات ثابت ہوگئی (جیسا کہ ہم ثابت کریں گے) تو پھر انہیں ان کا عمل ضرور قبول کرنا ہوگا۔ (پھر یہ بھی ماننا ہوگا کہ) ہم جس مسلک پر ہیں وہ صدی یا ڈیڑھ صدی کی پیداوار نہیں ہے بلکہ امت کی پوری عمر کے اندر ہر دن میں موجود ہے۔ تو پھر دوسرے لوگ جو حدیث اور محدثین کا نام لیتے ہیں، انہیں حدیث کی سند نبی علیہ السلام تک پہنچانے کے لیے اور محدث ڈھونڈنے چاہیے، جن کا عقیدہ ان لوگوں کے عقیدے کی طرح کا ہو۔ چونکہ جو محدث میدانِ عمل میں ہیں خواہ وہ بخاری کے اساتذہ ہوں یا تلامذہ ہوں یا خود امام بخاری ہوں، (یعنی) وہ آئمہ محدثین جن کی کتابیں متداول (مروّج) ہیں، اس امت میں تدوین حدیث کے لحاظ سے ایک بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، وہ (سب کے سب) ہمارے عقیدے پر ہیں۔ جبکہ ایسا

عقیدہ ان لوگوں کے نزدیک (معاذ اللہ) شرکیہ عقیدہ ہے۔

استمداد اور اہل ہوا:

کسی قبر کی زیارت کے لیے جانا، اس کی تعظیم کرنا، وہاں جا کر آنسو بہانا اور استمداد کرنا ان لوگوں کے نزدیک محض بدعت نہیں بلکہ شرک ہے۔ (معاذ اللہ اور شرک بھی وہ جو ابو جہل کے شرک سے بڑا شرک ہو)۔ اس پر باقاعدہ ان لوگوں نے فتویٰ لگایا کہ جو شخص بھی مزار کی نیت سے گھر سے نکلتا ہے، صرف جانے سے ان کے بقول شرک ہو جائے گا، استمداد تو بڑی دور کی بات ہے۔ اور اس کا یہ شرک ابو جہل کے شرک سے بھی بڑا شرک ہے۔ یہاں تک لکھ دیا کہ پہلی قوموں میں یغوث اور لات و منات تھے جبکہ اس امت میں شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اسی طرح کے لوگ ہیں (معاذ اللہ)۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو پہلی امتوں کے بتوں کے ساتھ ملا کر ان اولیاء کے معتقدین کو مشرکین کے ساتھ ملایا اور پھر معاذ اللہ انتہائی شرک کا الزام دیا۔

اس بے میں پورے وثوق اور ذمہ داری سے یہ موضوع پیش کر رہا ہوں، اس ظلم کے جواب میں جو صرف ہم پر ہی نہیں بلکہ پوری امت پہ کیا گیا۔ یعنی صحابہ کے مذہب کو اگر شرک کہا جائے تو اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔ تابعین کے مذہب کو شرک کہا جائے تو اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔ تبع تابعین کا جو مذہب ہے اس کو شرک کہا جائے تو اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔ اور پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ حج کے موقع پر جب کعبہ میں پوری دنیا سے فرزندانِ توحید پہنچے ہوئے ہوں تو وہاں بھی کچھ لوگوں کی طرف سے یہ بات سننے کو ملتی ہے: ''اکثر بلادِ اسلامیہ اس وقت مشرک ہو چکے ہیں''۔
میں نے اپنے کانوں سے وہ تقریر سنی اور پھر وہ تقریر المدینہ اخبار میں بھی چھپی۔

لَقَد اسْتَحْکَمَتْ هٰذِهِ الرَّزِیَّةُ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْبِلَادِ الْاِسْلَامِیَّةِ

اکثر مسلمان ممالک مشرک ہو چکے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ یہ قبروں کی زیارت کے لیے گھروں سے جاتے ہیں۔ پھر یہ بھی کہا کہ

مِنْ اَعْظَمِ اَنْوَاعِ الشِّرْکِ ..... (اخبار المدینہ 13 جنوری 2007)

یہ شرک کی بڑی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔

یعنی گھر سے ارادہ کر کے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے کی زیارت کے لیے جانا اس کو شرک کی بڑی انواع میں شمار کیا۔

کیا اس سے زیادہ کسی مہمان کی بے قدری اور توہین ہو سکتی ہے؟ رب کے بندے رب کے گھر میں حج کرنے گئے ہوں اور ان کو وہاں سے مشرک ہونے کی گالی دی جا رہی ہو، اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہو سکتا ہے۔ اکثر بلادِ اسلامیہ میں پہلے نمبر پر ان کے نزدیک پاکستان ہے پھر افغانستان بنگلہ دیش اور انڈیا ہے اور پھر عرب ممالک عراق، شام، مصر وغیرہم جہاں ان کی اپنی حکومت نہیں، وہاں پر تمام لوگوں پر شرک کا الزام لگا دیا گیا۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اللہ تعالیٰ کے مہمانوں کے ساتھ اتنا ستم اور اتنا ظلم؟ حالانکہ ان کے بارے میں ہے:

عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَاجُّ وَفْدُ اللّٰهِ..... (مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت ایوب، حضرت ابو قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حاجی تو اللہ تعالیٰ کا وفد (DELEGATION) ہیں۔

کیا یہ گھر چھوڑ کر وہاں شرک کا فتویٰ لینے گئے تھے؟ اکثر بلادِ اسلامیہ کے لوگ جو وہاں پر موجود ہیں، انہیں برملا کعبہ میں بیٹھ کر یہ کہا جا رہا ہے کہ تم حج کرنے گئے ہو لیکن ہو تم مشرک۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں بیٹھ کر فرقہ واریت پھیلا رہے ہیں اور اوپر سے کہتے ہیں کہ ہم وحدت اور اتحاد کے داعی ہیں۔

اپنی آواز کو ہر سطح پر بلند کرنا لازمی ہے کہ یہ دین جو شروع سے چلا آ رہا ہے۔ اس کو کسی حکومت کے ریالوں سے مٹایا نہیں جا سکتا اور اس حقیقت کی آواز کو دبایا نہیں جا سکتا۔ شروع سے لے کر آج تک صراطِ مستقیم کا جو نور ہے انشاء اللہ تعالیٰ وہ قیامت تک باقی رہے گا۔

قبر کی حیثیت اور اس کی حقیقت:

سب سے پہلے قبر کی حیثیت کو دیکھنا چاہئے کہ قبر ہے کیا؟ عمومی طور پر قبر کو ایک گڑھا سمجھا جاتا ہے بندے کو اس گڑھے میں ڈال دیا گیا وہاں جانے سے فائدہ کیا ہو سکتا ہے اور اس جگہ کا مقام کیا ہو سکتا ہے۔ اگر قبر کو گڑھا سمجھا جائے تو پھر جانے کی ضرورت بھی کوئی نہیں ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ

(الجامع الترمذی ابواب صفۃ القیامہ۔ ج۲ص۷۳۔ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوتی ہے۔

اہلِ ایمان اور پھر کامل مومنین کی قبر گڑھا نہیں ہوتی، ان کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے۔ اور جنت کی زیارت کو شرک کون کہے۔۔۔ جنت سے فائدہ اٹھانے کو شرک کون کہے اور جنت میں جا کر محروم کون رہے۔ جب ہمارے آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کو ریاض الجنۃ کہہ دیا کہ وہ قبر ہے اور حق پرست وہاں دفن ہے۔ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ کے نور کا مدینہ بنا رہا، ایمان جس میں جلوہ گر رہا، اب وہ جس جگہ پر آرام کر رہا ہے اسے عام جگہ جیسا نہ سمجھا جائے۔ اگر وہ مومن ہے اور کامل مومن ہے تو یقیناً اس کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

انسان کا خمیر اور قبر کی مٹی:

وہ جگہ جہاں کوئی دفن ہے، اس کی ویلیو اس کے مہمان کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا وَقَدْذُرَّعَلَیْہِ مِنْ تُرَابِ حُفْرَتِہٖ

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری باب ماجاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم وابی بکر رضی اللہ عنہ۔ مصنف عبدالرزاق: حدیث نمبر ۶۵۳۲)

ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو جس وقت ماں کے رحم میں اس میں جان ڈالی جاتی ہے اس سے پہلے اس کے خمیر میں اس کی قبر کی مٹی کو شامل کیا جاتا ہے۔

جہاں اس نے فوت ہونا ہوتا ہے وہاں کوئی حاجت ہوتی ہے اور جہاں اس نے دفن ہونا ہوتا ہے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ تو قبر کی زمین کا تقدس سمجھنا ہے تو پھر اس شخص کا مرتبہ دیکھو جو وہاں پر دفن ہے

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس جگہ پر دفن ہیں تو وہ جگہ کیوں مقدس ہے؟ کیونکہ وہ جگہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خمیر میں داخل کی گئی تھی۔ اللہ کا ولی جہاں دفن ہے، اللہ تعالیٰ کے صدیق، اللہ تعالیٰ کے شہید اور اللہ تعالیٰ کے صالحین جس جگہ پر دفن ہیں

اس جگہ کی ویلیو کیوں بڑھ گئی ہے؟ کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جس کی مٹی کو اس صوفی، اس شہید، اس صالح عظیم انسان کے خمیر میں شامل کیا گیا تھا۔ لہٰذا یہ مٹی عام نہیں بلکہ ساری زندگی رب کو سجدہ کرنے والی مٹی ہے۔

مومن کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ:

قبر کی جگہ اور عام جگہ میں فرق ہے۔ قبر میں جو لیٹا ہے اس زمین کو ایک نسبت پہلے حاصل تھی جس سے اس کو عظمت مل گئی، ایک وہ نسبت ہے کہ اس میں پہنچنے والا پہنچ جاتا ہے تو اس وقت نسبت مل جاتی ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے، اس کا امتحان ہوتا ہے۔ امتحان میں جب وہ کامیاب ہوتا ہے

فَيُنَادِيْ مُنَادٍ فِي السَّمَاءِ..... تو آسمان سے یہ آواز آتی ہے

اَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ..... میرے بندے نے سچے جواب دیے ہیں لہٰذا اس کے لئے فرش جنت کا بچھادو۔

یعنی جس نے مجھے رب کہا، اسلام کو اپنا دین کہا اور میرے محبوب کو اپنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا، اب اس کو پہلے کی طرح نہیں رہنے دینا۔ جو چند لمحے حساب سے قبل قبر میں گزارے تھے۔ اب وہ ویسے نہیں رہے گا۔

فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ..... اس کے لیے جنت میں فرش بچھادو۔

وَالْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ..... اور اس کو جنت کا لباس پہنادو اور جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔

(مشکوٰۃ المصابیح۔ کتاب الجنائز۔ ص ۱۴۲۔ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

وہ دوسرا جہاں ہے۔ اس جہاں کی نہ ہمیں آواز آتی ہے نہ ہم اس بندے کو دیکھ سکتے جو قبر میں ہے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا ہے۔ یہ غیب داں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کہ جنہوں نے غیب کی باتیں ہمیں بتائی ہیں۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان برزخ کے معاملے کا ہے۔ ہمیں دیکھ کر بھی اتنا یقین نہیں ہوسکتا جتنا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے پر ہے۔

اسلام میں قبر کا تقدس:

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح کیا کہ ایک طرف شعلے ہوں اور دوسری طرف قبر ہو تو انگاروں پہ قدم رکھنا ہلکا امر ہے قبر پر قدم رکھنے کے مقابلے میں کیوں کہ قبر کا ایک تقدس ہے اور قبر و نیا میں جنت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ لفظ ارشاد فرمادیئے۔ جس جگہ ہوائیں جنت کی ہوں اور وہ جنت کا باغ کہلائے اس کو دیکھنے میں پھر حرج کیا ہے۔ اس کی نیت سے جانے میں پھر اعتراض کیوں ہے؟ وہاں جانے والے کو محروم کہنے کی ضرورت کیا ہے۔ جب رب نے اس کو جنت بنایا اور وہاں جنت کی ہوائیں چلائیں، اور فرمایا کہ قبر میں بستر جنت کا اور قبر میں اس کا لباس جنت کا اور قبر میں ہوائیں جنت کی تو پھر اعتراض کا کیا جواز ہے؟

یہ نظام رب ذوالجلال کا ہے کہ جنت آسمانوں کے اوپر اور قبر زمین کے اندر مگر دروازہ جنت کا قبر میں کھل جاتا ہے۔ جو قبر کی شرعی حیثیت ہے، اگر کوئی شخص اس کا مطالعہ کرے مجھے امید ہے کہ وہ کبھی بھی قبر کو بت نہیں کہے گا اور کبھی بھی قبر کی اس حیثیت کا انکار نہیں کرے گا جو قبر میں آنے

والے کی وجہ سے قبر کو ملی ہے۔

لیکن قبر پر جانے والے کو جو آداب اختیار کرنے چاہیے اور جو تقاضا ہے وہ ایک مستقل سبق ہے۔ جہاں کجی ہے اس کجی اور بگاڑ کو صحیح کرنا یہ ہمارا اپنا جہاد ہے۔

کسی آنے والے طوفان کا ڈراوا دے کر ناخدا نے مجھے ساحل پہ ڈبونا چاہا

قبر کی جو حیثیت ہے، زیارت قبور کا جو مقام ہے اور جو استمداد کی حیثیت ہے، اس پر یقین رکھنا پڑے گا۔ اس کے بعد اگر کوئی نازیبا حرکت کرتا ہے اور اسلام کی حدود کو پھلانگنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو لگام دینا ہمارا کام ہے نہ یہ کہ حقیقت کا انکار کر دیا جائے اور اس حقیقت کے خلاف پروپیگنڈا کیا جائے۔

<u>حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ:</u>

بخاری و مسلم میں یہ حدیث شریف موجود ہے:

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ملک الموت عزرائیل علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ جب یہ روح قبض کرنے کی بات کرنے لگے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگے سے تھپڑ رسید کر دیا۔ یہ تھپڑ اتنا زبردست تھا کہ

فَفَقَأَ عَيْنَهُ..... اس کی آنکھ نکال دی

فَرَجَعَ اِلٰى رَبِّهٖ قَالَ

حضرت عزرائیل علیہ السلام رب کے پاس گئے اور کہنے لگے:

أَرْسَلْتَنِيْ اِلٰى عَبْدٍ لَايُرِيْدُ الْمَوْتَ

میرے رب تو نے مجھے اس بندے کی طرف بھیجا جو مرنا ہی نہیں چاہتا۔

اب پتا چلتا ہے کہ اوروں کے پاس ملک الموت اَور طرح جاتے ہیں اور خواص کے پاس اَور طرح جاتے ہیں۔ ورنہ کسی کی کیا مجال ہے کہ کچھ کہہ سکے۔ اس کو جا کر دبوچ لیں اور جان نکال لیں، تھپڑ کھانے کی ضرورت کیا تھی۔

باقاعدہ عزرائیل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مشورہ کرنے لگے کہ مجھے رب نے بھیجا ہے اور آپ کی جان نکالنی ہے تو انہوں نے آگے سے تھپڑ مار دیا۔

اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غصہ نہیں آیا، کون ہے میرے فرشتے کی آنکھ نکالنے والا میں اس کا محاسبہ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے یہ جواب نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ آنکھ میں صحیح کر دیتا ہوں تو پھر ان کے پاس چلا جا۔

بخاری و مسلم کے ظاہری الفاظ سے پتا چلا کہ لوگوں نے نکمی سوچوں سے یہ سوال بنا رکھے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہوتے تو پھر زخمی کیوں ہوتے۔ نور کا تو خون نہیں بہتا۔ یہاں دیکھیں کہ فرشتہ تو نور ہے لیکن اس کی آنکھ نکل گئی۔ اس سے پتہ چلا کہ یوں زخمی ہو جانا نور ہونے کے منافی نہیں ہے، ایسا ہو سکتا ہے۔

جس وقت حضرت عزرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جاؤ میرے کلیم کے پاس ہم انہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ تمہاری آنکھ ٹھیک کرتے ہیں:

قَالَ ارْجِعْ اِلَيْهِ فَقُلْ لَهٗ (تم دوبارہ واپس چلے جاؤ اور انہیں جا کر کہو)

اب ان سے پہلے کی طرح بات نہ کرنا بلکہ تم انہیں یہ کہو۔

يَضَعُ يَدَهٗ عَلٰى مَتْنِ ثَوْرٍ فَلَهٗ بِمَا غَطَّتْ يَدُهٗ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةٌ

وہ بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھیں تو جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے، ہر بال کے بدلے ایک سال عمر بڑھا دی جائے گی۔

اس سے بہت زیادہ عمر بڑھ سکتی تھی۔ حضرت ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے آپ کو انعام دے دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مارا تھپڑ تھا لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے کلیم ہیں۔ کوئی اور بندہ ملک الموت کے سامنے اونچی آواز تو کرے۔ آپ نے جب تھپڑ مارا تو ملک الموت نے یہ نہیں کہا کہ آنکھ تو نکل گئی ہے لیکن اب میں جان نکال کے جاؤں گا۔ انہیں پتا ہے کہ آخر رب کے کلیم ہیں رب نے جو کہنا ہے وہ کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی مواخذہ نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ میرے فرشتے تم ان سے کہو بیل کی جلد پر ہاتھ رکھیں، جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے اتنے سال عمر بڑھا دی جائے گی۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ پیشکش کر دی آپ نے فرمایا کہ جب یہ سال گزر جائیں گے۔

اَیْ رَبِّ ثُمَّ مَا

اے میرے رب! پھر کیا ہوگا؟ اتنے سال جب مزید گزر گئے تو پھر کیا ہوگا۔

قَالَ ثُمَّ الْمَوْتُ

فرمایا: کلیم پھر موت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے:

قَالَ فَالْاٰنَ

پھر مجھے ان سالوں کی ضرورت نہیں، ابھی میری جان نکال لو۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجازت دے دی کہ میری جان نکال لی جائے۔ (انبیاء کرام کا اپنا اسٹیٹس ہے، فرشتے اجازت مانگتے ہیں، پوچھتے ہیں، اجازت ملتی ہے تو پھر روح نکالتے ہیں۔ عام لوگوں کی طرح آکر دبوچ نہیں لیتے)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا:

فَسَأَلَ اللّٰهَ اَنْ يُّدْنِيَهٗ مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ

اے میرے رب میں مرنے کو تیار ہوں میری روح نکل جائے لیکن میری ایک حاجت ہے۔

میں یہ دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس جگہ پر موت نہ آئے۔

اَنْ يُّدْنِيَهٗ مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ (مجھے بیت المقدس کے قریب کیا جائے)

رَمْيَةً بِحَجَرٍ..... (صحیح مسلم: کتاب الفضائل۔ باب مِنْ فَضَائِلِ مُوسیٰ علیہ السلام۔ جلد۲۔ صفحہ۲۶۷۔ قدیمی کتب خانہ۔ کراچی)

بیت المقدس کے اتنا قریب ہو جاؤں کہ درمیان میں صرف اتنا فاصلہ ہو جتنا پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو خود نبی ہیں، وہ بھی قبر وہ ڈھونڈنا چاہتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات موجود ہیں۔

دعا کی برکات

حضور مفکرِ اسلام پروفیسر محمد حسین آسی قدس سرہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یک ہی سامان ہے میرا، ایک ہی ہے میرا بھرم　　　ان کی عنایت، ان کی توجہ، ان کی دعا اور ان کا کرم

دنیا عالم اسباب ہے اس پر مومن و ملحد دونوں کا اتفاق ہے دونوں اسباب کی تلاش کر کے انہیں استعمال میں لاتے ہیں۔ ہاں، ملحد انہی اسباب کو سب کچھ سمجھتا ہے، انہی سے اس کی امید یا خوف وابستہ رہتا ہے۔ اور ان سے آگے اس کے نزدیک کچھ بھی نہیں۔ مومن اسباب کی اہمیت کا قائل ہے مگر انہی کو سب کچھ نہیں سمجھتا بلکہ اس کے نزدیک اصل طاقت کا مالک خالق اسباب (یعنی سبب الاسباب) ہے۔ جس نے اسباب کو اسباب بنایا۔ وہی اپنی حکمت و مشیت کے مطابق اسباب کو مخصوص طاقت و تاثیر عطا فرماتا ہے اور جب چاہے یہ طاقت و تاثیر سلب فرما لیتا ہے۔ مثلاً آگ جلاتی ہے اور تلوار کاٹتی ہے۔ ملحد کے نزدیک آگ کو جلانے سے اور تلوار کو کاٹنے سے روکنے والی کوئی طاقت نہیں مگر مومن آگ اور تلوار کے جلانے اور کاٹنے کو حتمی نہیں سمجھتا اس کے ایمان کے مطابق جس ذات نے آگ پیدا کی، اسے جلانے کی طاقت بخشی وہی اسے ناپید بھی کر سکتا ہے اور اس سے جب چاہے جلانے کی طاقت سلب بھی فرما سکتا ہے یونہی تلوار اور دوسری مخلوق کی صفات اور تاثیرات مستقل اور حتمی نہیں۔ قطعی، یقینی اور حتمی طاقت تو اللہ کے پاس ہے جو سب کا خالق، مالک حقیقی اور موثر فی الوجود ہے۔

ملحد بیمار ہو، ڈاکٹروں کی ہدایات کے مطابق علاج کروائے پھر شفایاب ہو جائے تو سمجھتا ہے کہ ڈاکٹر اور دوا نے شفا دی، اور ڈاکٹر لاعلاج قرار دے دیں تو اب اس کے نزدیک شفایابی کی کوئی صورت نہیں بندہ مومن بھی ڈاکٹروں کے پاس جاتا ہے علاج کراتا ہے دوا استعمال کرتا ہے۔ مگر اس کا بھروسہ علاج و دوا پر نہیں، بلکہ ڈاکٹروں کو پیدا کرنے، انہیں ڈاکٹری کی صلاحیتیں بخشنے والے اور دواؤں کو موثر بنانے والے خدائے واحد و برتر پر ہے۔ ڈاکٹروں کے علاج سے شفایاب ہو جائے تو وہ اسے ڈاکٹروں کا نہیں بلکہ اللہ کا فضل سمجھتا ہے، کیونکہ دواؤں میں اثر پیدا کرنے والا وہی ہے، اور اگر ڈاکٹر لاعلاج قرار دے دیں تو مایوس نہیں ہوتا، اس لئے کہ مردوں کو زندہ کرنے والا رب غیر محدود طاقتوں کا مالک ہے۔ ڈاکٹر بے بس ہو گئے تو کیا، خداوند کریم تو قادر مطلق ہے۔ مومن اپنے اسی ایمان کی بنا پر کبھی مایوس نہیں ہوتا دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے مرعوب نہیں ہوتا۔ اللہ کی کبریائی کا یقین اسے نمرود و فرعون کے سامنے جھکنے نہیں دیتا۔ درود و سلام ہوں رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر جس نے انسان کو اسباب سے کٹ کر خالق اسباب سے لو لگانے کا سبق دیا اور خدائے بے نیاز (اللہ الصمد) کا بندہ بنا کر اسے بھی دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیا۔ ہاں ہاں یہ احسان عظیم ہے اسی محسن انسانیت (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کا کہ بندے کو اس کے مولا سے ملا دیا۔ وہم و گمان کے سارے بت توڑ کر اسے توحید کے اجالوں اور تقاضوں سے سرشار کیا۔ اب اسے مصیبت سے گھبرانے کی ضرورت نہیں کسی نازک صورتحال میں اس کے لئے پریشان ہونا زیبا نہیں یہ اپنے پورے یقین و اعتماد سے اپنے رب کو پکارے اس کے حضور گڑگڑائے، اس کا فضل مانگے وہ اس کی عاجزی اور گدائی کی لاج رکھے گا گویا یہ بندہ بن کر اپنی بندگی کا ثبوت دے وہ تو رب ہے ہی، اپنی ربوبیت کا جلوہ دکھائے گا در اصل خود کو ناچار، بے بس، مستحق رحمت سمجھنا ہی بندگی (یعنی عبادت) ہے اور یہی روح دعا ہے۔ دعا گویا اپنی بے چارگی کا اظہار ہے اور جب تک یہ روح موجود نہ ہو، عبادت عبادت ہی نہیں اسی لیے خواجہ کون و مکاں ہادی

الانس وجاں حضور اصل رحمت وجان عبادت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا

الدعاء ھو العبادۃ دعا ہی عبادت ہے (احمد ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

الدعاء مخ العبادۃ بندہ کی عزت بندگی (عبادت) سے ہے۔ کیونکہ یہی اس کی وجہ تخلیق ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (ص ا، الذریت۔۵٦)

ترجمہ: اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا۔ اور عبادت کا مغز دعا ہے، اس لئے ارشاد ہوا۔

لیس شیئی اکرم علی اللہ من الدعاء (ترمذی ابن ماجہ، مشکوۃ)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک کوئی چیز دعا سے زیادہ عزت والی نہیں۔

گویا جو اللہ سے دعا نہیں کرتے، عزت سے محروم ہیں، بلکہ وہ تو رحمت خداوندی کی بجائے غضب کے مستحق ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

من لم یسئل اللہ یغضب علیہ۔ (ترمذی)

ترجمہ۔ جو خدا سے مانگتا نہیں (یا دعا نہیں کرتا) وہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ اسی لئے محبوب اکرم حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے تاکید فرمائی

ان الدعاء ینفع مما نزل و مما لم ینزل فعلیکم، یا عباد اللہ بالدعاء۔ (ترمذی، احمد)

ترجمہ: بیشک دعا نفع دیتی ہے اس چیز سے جو اتر چکی (یعنی بلا ومصیبت) اور اس چیز سے جو ابھی نہیں اتری، پس اے خدا کے بندو دعا کو اپنے اوپر لازم کرلو۔

ایمان و بندگی اور دعا: حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اس آخری ارشاد پر غور کیجئے، دعا کی تاکید فرماتے ہوئے، اے اللہ کے بندو! فرما کر مخاطب فرما رہے ہیں، گویا بندگی کا تقاضا ہی دعا ہے یونہی پہلی سطور سے ظاہر ہے ایمان کا تقاضا بھی دعا ہے بلکہ عبادت اور دعا ایک ہی چیز ہیں اب یہاں سے یہ بھی سمجھ لیجئے، جس طرح ایمان سب کا ایک جیسا نہیں، عبادت کا ذوق بھی سب میں برابر نہیں یونہی دعا کا شرف بھی ہر ایک کو یکساں نہیں ملا، جس کا ایمان مضبوط ہے اور جس میں بندگی کا احساس زیادہ ہے اسی کو دعا یا حقیقی دعا (جو حضور و قبول ہو) کی توفیق ملتی ہے۔ دعا بھی ایک فن ہے اور اس کے لئے بھی قدرت مخصوص افراد کو منتخب کرتی ہے۔ گویا جسے اللہ اپنی رحمتوں سے نوازنا چاہتا ہے، دعا کا دروازہ اس کے لئے کھول دیتا ہے۔ چنانچہ حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں۔

من فتح لہ منکم باب الدعاء فتحت لہ ابواب الرحمۃ۔ (ترمذی شریف، مشکوۃ شریف)

ترجمہ۔ تم میں سے جس کے لئے دعا کا دروازہ کھولا گیا اسی کے لئے رحمت کے دروازے کھولے گئے۔

اولیاء اور دعا: یوں تو بندہ مومن دعا کی توفیق سے بہرہ یاب ہوتا ہی ہے (کہ یہ اس کے ایمان اور بندگی کا تقاضا ہے) مگر اولیاء کرام علیھم الرحمۃ والرضوان جو ایمان اور عبودیت میں دوسروں پر فائق ہوتے ہیں یقیناً ان کی دعا بھی دوسروں کی دعا پر فوقیت رکھتی ہے۔ اسے ایک اور طرح سے بھی سمجھ لیجئے رب فرماتا ہے۔

ان رحمت اللہ قریب من المحسنین (الاعراف۔۵٦) ترجمہ: بیشک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔

گویا اللہ کی رحمت محسنوں سے قریب ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں "جس کے لئے دعا کا دروازہ کھولا گیا اس کے لئے رحمتوں کے دروازے کھول دیئے گئے" آیت و حدیث کو ملا کر نتیجہ یہ نکلا کہ محسنین (یعنی بندے) دعائے خاص کی دولت سے ہمکنار رہیں۔ چنانچہ ایک

حدیث پاک ہے۔

لا یرد القضاء الا الدعاء ترجمہ: تقدیر کو کوئی چیز نہیں بدل سکتی سوا دعا کے

ظاہر ہے یہ وصف ہماری دعا میں نہیں بلکہ اللہ نے اپنے بندہ مقرب کی دعا کو یہ شان وعظمت عطا کی ہے اسی کے بارے میں اعلان فرمایا ہے۔

وان سئلنی لا عطینہ ولئن استعا ذنی لا عیذنہ

ترجمہ: اور اگر وہ مجھ سے کوئی چیز مانگے تو ضرور ضرور اسے عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ طلب کرے تو میں اسے ضرور ضرور پناہ دیتا ہوں۔

اب ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ بخاری شریف کی اس روایت میں اگرچہ بندہ مقرب کی گویا ہر دعا قبول کرنے کا وعدہ ہے مگر قرآن کے بعض مقامات پر ہر شخص کے لئے اس (قبول دعا کے) شرف کا اشارہ ملتا ہے مثلاً

اجیب دعوۃ الداع اذا دعان ترجمہ: میں دعا قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کی جب وہ مجھ سے دعا کرے (البقرہ)

ادعونی استجب لکم ترجمہ: مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ (المومن: ۶۰)

اس سلسلے میں میں یہ عرض کروں گا کہ یقیناً وہ اپنے وعدے کے مطابق دعا کرنے والے کی دعا سنتا ہے (اور قبول فرماتا) ہے مگر وہ دعا تو ہو۔ تفصیل سے یہ عرض کر آیا ہوں کہ جس میں جتنا ایمان اور احساس بندگی ہوگا اتنا ہی اسے دعا کا شرف یا توفیق ملے گی یا بالفاظ دیگر وہ اتنی ہی دعا ہوگی۔ جس طرح ہم عوام کی نماز خلوص، خشوع وخضوع سے عموماً خالی ہو کر حقیقی نماز کی بجائے محض صورت کے اعتبار سے نماز ہوتی ہے۔ یونہی ہماری دعا بھی دعا کے اصل تقاضوں سے محروم رہ کر محض صورتاً ہی دعا ہوتی ہے۔ دعا میں جتنی دعائیت ہوگی ضرور قبول ہوگی جیسے نماز میں جتنی توجہ ہوگی مقبول ہوگی۔ حقیقت میں ہم دعا سے آشنا ہی نہیں۔ میں نے ایک بار عرض کیا تھا۔

تم مرا اضطراب کیا سمجھو!!! *میں ہوں حرف دعا میں الجھا ہوا*

دیکھئے قرآن فرماتا ہے۔

امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء (النمل: ۶۲)

ترجمہ: سو (خدا کے سوا) وہ کون ہے جو لاچار کی سنتا ہے جب اسے پکارے اور دکھ دور کر دیتا ہے۔

گویا دعا کرنے والے کے لئے مضطر ہونا ضروری ہے اور مضطر کون ہے جسے اپنی بیچارگی کا مکمل احساس ہو۔ کیا ہمیں یہ احساس کما حقہ حاصل ہے اور جب تک یہ احساس کامل نہیں ہوگا دعا حقیقت میں دعا کیونکر بنے گی۔ اب آیئے حدیث پاک کی طرف دعا قبول نہ ہونے کی وجہ بیان فرما رہے ہیں سب کے غمگسار حضور احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم

واعلمو ان اللہ لا یستجیب دعاء من قلب غافل لاہ (ترمذی)

ترجمہ اور جان رکھو کہ خدا غفلت اور بے پروائی برتنے والے دل کی دعا قبول نہیں فرماتا ایک دوسری حدیث کے دوسرے حصے کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

"ایک شخص لمبے لمبے سفر کرتا ہے جس کے بال پراگندہ اور بدن گرد آلود ہے (یعنی اس کی حالت ظاہر میں ایسی ہے کہ جو دعا مانگے قبول ہو) اور وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یا رب یا رب کہتا ہے مگر اس کی حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام اور اس کی غذا حرام ہے پھر اس کی دعا کیونکر قبول ہوگی"۔ (مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف)

ذرا سوچئے! اس قسم کے ارشادات کی روشنی میں کیا ہماری دعا بھی دعا کہلانے کی مستحق ہے۔

پھر ہم کیا کریں: ایسی صورت میں کہ ہماری دعا، دعا ہی نہیں اور قبولیت کے تقاضوں سے بہت دور ہے، ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ایک بات ظاہر ہے ہمیں رسم دعا ہی نہیں چھوڑ دینی چاہئے بلکہ حلال وحرام کی تمیز کر کے حلال اختیار کرنا چاہیے اور حرام سے بچنا چاہیے پھر اپنے اندر اخلاص، عجز وانکسار اور بیچارگی کا احساس پیدا کرنا چاہئے اور پورے یقین اور توجہ سے دعا مانگنی چاہئے (جیسا کہ احادیث شریفہ سے مستفاد ہے) دوسرے وہ حضرات جن کی دعا قبول ہوتی ہے (اور کتاب وسنت میں بھی ان صفات کی نشاندہی ہو چکی ہے) ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کرانی چاہیے بلکہ ان کی صحبت وخدمت سے ہمیں دعا کرنے کا فن سیکھنا چاہئے قبول دعا کے جن تقاضوں کا ذکر اوپر آیا ہے ان کا حصول بھی اولیاء کرام کی صحبت ہی سے ممکن ہے۔ ہماری غفلت غرور وتکبر حلال وحرام کی پروانہ کرنا نفسانیت کی بناپر ہے۔ اور نفس کا علاج بقول مولائے روم علیہ الرحمہ مرشد کامل کے سائے کے سوا ناممکن ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: آج کل یہ سوال بہت پھیلایا جارہا ہے کہ جب خدا تعالیٰ سب کچھ دیکھتا سنتا ہے اور خود فرماتا ہے:

نحن اقرب اليه من حبل الوريد (ق۔۸۶)

ترجمہ: رب تعالیٰ انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ تو کسی اور سے دعا کے لئے کہنا اور دور دور چل کر بزرگوں سے دعا کرانا کس لئے؟

جواب: عرض ہے کہ یقیناً ہمارا خدا سمیع وبصیر (ہر شے دیکھنے سننے والا) ہے اور اپنے علم وقدرت کے ساتھ سب سے حتیٰ کہ شاہ رگ سے بھی قریب ہے۔ مگر افسوس اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کے سبب ہم اس سے دور ہیں، بقول حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ:

یار نزدیک تر از من بمن است   وے عجب بیں کہ من از وے دورم

ترجمہ: میرا یار مجھ سے بھی میرے زیادہ قریب ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ میں پھر بھی اس کے قرب سے محروم ہوں۔ ہم اس کے مقرب ہوتے تو ہمارا بھی وہی حال ہوتا جو اس نے اپنے بندہ مقرب کا بیان فرمایا ہے یعنی

كنت سمعه الذى يسمع به و بصره الذى يبصر به ويده التى يبطش بها ورجله التى يمشى بها (بخاری شریف)

ترجمہ: میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اسکے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ (اس کے آگے وہ الفاظ ہیں جو اوپر ترجمہ سمیت آگئے ہیں یعنی وان سلنی۔۔۔۔۔)۔ مزید اطمینان کے لئے ایک طویل حدیث کا ترجمہ حاضر خدمت ہے:

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب یمن سے امدادی جماعتیں آتیں تو آپ ان سے پوچھتے کیا تمہارے درمیان اویس ابن عامر موجود ہیں؟ حتیٰ کہ آپ حضرت اویس کے پاس پہنچے تو ان سے پوچھا کیا آپ اویس بن عامر ہیں؟ عرض کی "ہاں" فرمایا "کیا تم برص کی بیماری میں مبتلا تھے اور اس سے تمہیں شفا حاصل ہوگئی ہے سوا درہم بھر جگہ کے؟ عرض کی ہاں۔ فرمایا "کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں؟ عرض کی "ہاں" فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا۔

ياتى عليكم اويس بن عامر مع امداد اهل اليمن من مراد ثم من قرن كان به برص فبر ء منه الا مرضع درهم له والدة هو بها بر لو اقسم على الله لابره فان استطعت ان يستغفر لک فافعل

ترجمہ: تمہارے پاس یمن کی امدادی جماعتوں میں قبیلہ مراد کی شاخ قرن کا ایک شخص اویس بن عامر آئے گا۔ اسے برص کی تکلیف تھی جس سے وہ شفایاب ہوگیا، سوا درہم بھر جگہ کے۔ اس کی ماں بھی ہے، جس کے ساتھ وہ بہت اچھا سلوک کرتا ہے اگر وہ (اویس) اللہ پر قسم کھائے تو اللہ اس کی قسم ضرور پوری فرمائے گا۔ اگر تیرے لئے ممکن ہو کہ اس سے بخشش کی دعا کرائے تو ضرور ایسا کر۔

لہٰذا آپ میرے لئے بخشش کی دعا کریں تو انہوں نے دعائے مغفرت کر دی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہاں جانے کا

ارادہ ہے۔عرض کی کوفہ۔فرمایا کہ تمہیں کوفے کے گورنر کے نام خط نہ لکھ دوں۔عرض کی مجھے عام لوگوں میں رہنا پسند ہے۔

یہ مسلم شریف کی روایت کا پہلا حصہ ہے اور اس سے ہمارا مقصود حاصل ہو گیا تاہم باقی روایت کے مطابق اگلے سال ایک با حیثیت آدمی نے حج کیا۔وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا تو آپ نے حضرت اویس کے بارے میں پوچھا۔اس نے عرض کی "میں اسے تنگ دستی اور غربت کی حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں" حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے مندرجہ بالا حدیث سنائی،وہ شخص بھی (واپس جا کر) حضرت اویس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور التجا کرنے لگا میرے لئے مغفرت کی دعا کیجئے۔آپ نے فرمایا تم ابھی نیک سفر سے آئے ہو،اس لئے تم میرے لئے بخشش کی دعا کرو۔پھر انہوں نے پوچھا کیا تم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے ہو؟ بولا ہاں۔تو انہوں نے اس کیلئے بخشش مانگی (اس سے) لوگ آپ کی شان سمجھ گئے تو آپ کا جس طرف جی چاہا تشریف لے گئے۔

مسلم شریف کی ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک بے ادب کو بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا فرمان سنایا جس میں قریب قریب یہی الفاظ ہیں آخر میں ہے

فمن لقیه منکم فلیستغفر لکم (یعنی تم میں سے جو بھی اویس سے ملے اس سے بخشش کی دعا کرائے۔

اس کی تیسری روایت کے مطابق حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی حدیث پاک یوں سناتے ہیں۔

ان خیر التابعین رجل یقال له اویس و له والدة و کان به بیاض فمروه فلیستغفر لکم۔

ترجمہ: بے شک تابعین میں سے بہترین اویس نامی ایک شخص ہے اس کی والدہ بھی ہے اور اسے برص کا مرض تھا اسے کہو کہ تمہارے لئے دعائے مغفرت کرے۔

ذرا خیال فرمائیے وہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی بخشش کا منکر مسلمان نہیں ہو سکتا،انہیں کس وضاحت سے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم خیر التابعین حضرت اویس قرنی کا پتہ بتا کر ملنے اور بخشش کی دعا کرانے کی تلقین فرما رہے ہیں اور خود حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس اہتمام سے اس پر عمل کیا اور دوسروں کو بھی ترغیب دی۔

دوسروں سے دعا کرانا بالخصوص وہ جن کی دعا رد نہیں ہوتی خود سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی سنت ہے۔حضرت مولائے روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

آں شنیدستی کہ فخر انبیاء   از مسکیناں ہمی جستے دعا

ترجمہ: اور تو نے سنا کہ حضور فخر انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم مسکینوں سے دعا کرایا کرتے تھے۔

چنانچہ یہی فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں

استاذنت النبی صلی الله تعالیٰ علیه واله وسلم فی العمرة فاذن لی وقال لا تنسنا یا اخی من دعائک فقال کلمة ما یسر نی ان لی بها الدنیا۔

ترجمہ: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت مرحمت فرما دی اور فرمایا اے میرے بھائی ہمیں اپنی دعاؤں میں فراموش نہ کرنا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں،حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے یہ کلمات ایسے ہیں کہ اگر ان کے بدلے ساری دنیا مجھے مل جائے تو بھی مجھے پسند نہیں۔ابوداؤد نے اسے حدیث صحیح اور ترمذی میں حدیث حسن صحیح فرمایا۔فرمائیے کیا اب بھی تسکین نہیں ہوئی۔

اسلام اور اخلاق

مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شیروانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جو حدیثیں پاکیزگی اخلاق کے متعلق وارد ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اخلاق اس طرح باہم وابستہ ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہیں اور یہ کہ اسلام بدون پاکیزگی اخلاق کالبد بے جان سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتا۔ ایک حدیث میں اسلام اور ایمان کی تکمیل اخلاق پر موقوف فرمائی ہے۔ تو دوسری حدیث میں اسلام کو عین اخلاق فرمایا ہے کہیں دین کی ستھرائی کو اخلاق کی ستھرائی پر منحصر کر دیا ہے۔ ایک موقع پر عبادت کی خوبی اور مقبولیت کو پاکیزگی اخلاق سے مشروط کیا ہے۔ تو دوسرے موقع پر سعادت انسانی اخلاق نیک سے وابستہ قرار دی ہے۔ جو اخلاق ذمیمہ زیدہ قبیح ہیں مثلاً کذب وخیانت، ان کی نسبت صاف صاف ارشاد ہے کہ وہ ایمان کے ساتھ ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ با آنکہ فرمایا کہ مومن ہو کر آدمی خائن ہو، یہ نہیں ہو سکتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت واضح الفاظ میں اپنے رسول بنائے جانے کی غرض وغایت صرف اخلاق نیک کی تکمیل ظاہر فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

یعنی میں صرف نیک اخلاق کی تکمیل کے واسطے بھیجا گیا ہوں۔ سورہ جمعہ کی ایک آیت بھی اس حدیث کے ہم مضمون ہے:

هوا لذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایاته و یز کیهم و یعلمهم الکتاب و الحکمة (الجمعہ:۲)

یعنی اللہ وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں منجملہ انہیں کے رسول بھیجا۔ جو ان کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

اس آیت میں جو پاک کرنے کا لفظ ہے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ پاک کرنے سے مراد اخلاق رذیلہ سے پاک کرتا ہے اور حکمت کے معنی طریقہ سنت کے ہیں۔ جو عین اخلاقی تعلیم تھی۔ اب میں چند احادیث کا ترجمہ آپ کو سناتا ہوں جن سے بیان بالا کی توضیح ہوگی۔

اسلام خلق نیک ہے۔ ایمان کامل تران کا ہے جن کے اخلاق اچھے ہیں۔ کمال ایمان حسن خلق ہے۔ عبادت سے حسن خلق افضل ہے۔ ایک بندہ آخرت میں اپنے حسن خلق کی بدولت بڑے بڑے درجے پائے گا۔ حالانکہ وہ بلحاظ عبادت کمزور ہوگا۔ اور ایک بندہ آخرت میں خلق کی برائی کی وجہ سے جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوگا۔ حالانکہ وہ ہوگا عابد۔ انسانوں میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے۔ اعمال میں سب سے بہتر عمل نیک خلق ہے۔ دین کی خوبی اخلاق کی خوبی سے ہے۔ تجھ کو نیک اخلاق کو اپنے اوپر لازم کر لینا چاہیے۔ اس لیے کہ آدمیوں میں جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں اس کا دین سب سے اچھا ہے۔ کوئی عقل مثل تدبیر کے اور کوئی حسب مثل نیک اخلاق کے نہیں ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جس کی صورت اور سیرت دونوں اچھی ہوں اس کو دوزخ کی آگ کھالے۔ انسانی سعادت خلق ہے، انسان کی شقاوت بدخلقی ہے۔ آتش دوزخ اس شخص پر حرام ہے جو ہنس مکھ، نرم خو، بے تکلف اور قریب ہو۔ آپ اپنے کو دور نہ کھینچتا ہو۔ حسن خلق برکت ہے۔ آدمی اپنے نیک اخلاق کے اثر سے

اس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو ہمیشہ روزہ رکھے، رات بھر عبادت میں جاگے اور راہ خدا میں لو کے دنوں میں دو پہر کو پیاسا رہے۔ اخلاق کا اچھا ہونا محبت الٰہی کی دلیل ہے اور بداخلاقی بغض الٰہی کی۔

ان احادیث سے آپ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہوگا کہ ایمان و اسلام کی تکمیل دین کی خوبی ہے۔ آخرت کے مراتب، انسان کی فضیلت، سعادت اور برکت، غرض انسان کی ساری خوبی، بہبودی اخلاق نیک سے مشروط کر دی گئی ہے۔ ایک حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ خدا جن کو دوست رکھتا ہے ان کو اچھے اخلاق دیتا ہے اور جن کو دوست نہیں رکھتا ان کو بداخلاقی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ایمان کے باب میں جو احادیث آئی ہیں ان میں ایک حدیث یہ بھی ہے کہ

حقیقت ایمانی: بندہ حقیقت ایمانی کے رتبہ پر اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ سارے آدمیوں کے واسطے وہی بھلائی نہ چاہے جو اپنے نفس کے واسطے چاہتا ہے۔ حدیث مذکورہ کے الفاظ یہ ہیں

لا یبلغ العبد حقیقۃ الایمان حتیٰ یحب للناس ما یحب لنفسہ من الخیر

غالباً اس سے بڑھ کر بنی نوع انسان کی خیر طلبی کا معیار نہیں ہو سکتا۔ پس جب تک کہ انسان کل بنی نوع انسانی کو بھلائی کا حقدار اپنی ذات کے برابر نہ سمجھ لے۔ اس وقت تک وہ خیر خواہ خلائق نہیں کہا جا سکتا۔ حدیث یہ بھی سبق دیتی ہے کہ نیک وبد، مسلم و کافر سب کو یکساں اخلاق نیک اور نیکی کا فیض پہنچاؤ۔ چنانچہ فرمایا کہ

مسلمان جب نیکی کرے تو کافر، مسلمان اور فاسق و فاجر سب سے کرے۔ خداوند تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔ کہ میرے دوست اپنے خلق کو اچھا کر یہاں تک کہ کفار کے ساتھ بھی۔ اس سے تو بندوں کے مقامات میں رسائی پائے گا

ایک اور حدیث میں ہے ایمان لانے کے بعد عقل کی چوٹی کی بات یہ ہے کہ آدمی سارے آدمیوں سے محبت رکھے اور ہر نیک و بد کے ساتھ نیکی کرے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ایک بار اپنے صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا ''اے معاذ تجھ سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کے بعد ایک نیک کام کرنا کہ نیکی برائی کو محو کر دے اور اے معاذ! آدمیوں سے باخلاق نیک پیش آ''۔ ایک عالم کی حکمت اور دین و دنیا کی خوبی ذیل کے الفاظ سے بھری ہوئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اخلاق میں سب آدمیوں سے شیر و شکر رہو۔ اور اعمال میں سب سے ممتاز۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری عبادات تم کو غیروں سے ممتاز بنائے رہیں اور عادات میں سب اجلا ہوا دکھائیں۔ ذات اور قوم کے امتیاز و فخر کا سر اخلاق کے سامنے یوں جھکایا ہے۔ لاحسن کحسن الخلق۔ یعنی اخلاق سے بڑھ کر کوئی حسن نہیں۔ اخلاق کی برائی یوں بیان فرمائی ہے۔ خلق کی برائی عمل کو اس طرح فاسد کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو۔ خدا اس کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتا۔ جو اپنے بھائیوں کے مقابلے میں ترش رو رہے۔ ہر گناہ کی توبہ ہے، لیکن بداخلاقی کی نہیں۔ اس لئے کہ وہ جب ایک گناہ سے توبہ کرے گا اس سے بدتر گناہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ بداخلاقی نحوست ہے تم میں سب سے برا وہ ہے جو اخلاق میں سب سے برا ہے۔

احادیث بالا سے معلوم ہوا کہ انسانی برتری اور اصلی فضیلت کا سبب اسلام میں اخلاق نیک میں اور سارے امتیاز خواہ وہ بلحاظ کثرت

عبادت ہوں خواہ بلحاظ حسب ونسب۔ سب بدون اخلاق نیک ہیچ اور بے حقیقت ہیں۔ اسی تعلیم کا اثر تھا کہ اسلام کے دور اول میں جب کہ اسلام اپنے اصلی اور خالص رنگ میں جلوہ افروز تھا۔ نفس انسانی فضول اور بے کار قیدوں کو توڑ کر حقیقی حریت اور آزادی کی طرف رجوع کر گیا تھا اور صرف نفس انسانی کی اخلاقی تکمیل ذریعہ شرف وفضیلت تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ دل کھول کر ضعیف قوی کا، غلام آقا کا، عرفی نیچی قوم کے لوگ اونچی ذات والوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اور اگر اپنے نفس کو ان سے زیادہ پاک دبا اخلاق بنا لیتے تھے تو مرتبہ میں بھی فائق ہو جاتے تھے۔ اور چونکہ وہ لوگ بھی جو قومی آزاد یا عرفاً اونچی ذات کے تھے صرف نیکی و پاکیزگی اخلاق کو معیار شرف مانتے تھے۔ لہٰذا جب ان سے کم درجہ کا آدمی خوبیوں میں بڑھ جاتا تو وہ اسکے شرف کو بطیب خاطر قبول کر لیتے۔ اس طرح نیکی واخلاق کے سامنے شرف وعزت کے خیالوں نے سر جھکا دیا تھا۔ نیکی اور صرف نیکی کا بول عالم اسلام میں بالا ہو رہا تھا۔ جو ہزاروں پیشوایان امت اس وقت تک مسلم ہیں اور جن کے نام آج تک ادب وتعظیم سے لیے جاتے ہیں ان کے حالات آپ دیکھیں تو معلوم ہو کہ صدہا ان میں ایسے تھے جو رواجی اور عزت وشرف کے اسباب سے تہی دست تھے۔ لیکن اخلاق وعلم نے ان کو اوج شرف پر آفتاب وماہتاب بنا کر چمکا یا۔

عبادت میں پاکیزگی اخلاق کا لحاظ: عبادت میں بھی اسلام نے ہر موقع پر اخلاقی پاکیزگی کا لحاظ رکھا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ عبادت بھی اخلاق کا ایک حصہ ہے کیونکہ وہ اس حق کے ادا کی صورت ہے جو خالق ومخلوق پر اور مالک کا بندے پر ہے اور ادائے حق واخلاق کا اہم مسئلہ ہے۔ نماز کی نسبت کلام مجید میں ارشاد ہے۔

قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون

یعنی یقینی فائز المرام ہوئے وہی اہل ایمان جو نماز دلی عاجزی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے جو شخص دلی عاجزی سے نماز ادا نہ کرے، اس کی نماز نہیں ہوتی۔ جس شخص کی نماز اس کو بے حیائی کی باتوں اور برے کاموں سے نہ روکے اس نماز سے سوائے خدا کی دوری کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

روزہ میں جہاں کھانے پینے کی ممانعت ہے وہاں یہ بھی ارشاد ہے کے جھوٹ غیبت چغلی نظر بد اور جھوٹی قسم سے روزہ باطل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے

بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ جن کو روزہ میں سوائے پیاس کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اور بہت سے رات رات بھر نماز پڑھنے والے ایسے ہیں جن کو شب بیداری سے سوائے جاگنے کے اور کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم میں ایک موقع پر اس لطیف بحث لکھی ہے۔ نماز کی نسبت فرماتے ہیں۔ حضور قلب نماز کی جان ہے۔ اگر پہلی تکبیر کہنے کے وقت حضور قلب ہو گا تو کہا جائے گا کہ جان کی رمق باقی ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو سمجھنا چاہیے کہ نماز مردہ ہے۔ جس قدر حضور قلب سے بڑھے گا اسی قدر نماز میں روحانی تازگی پیدا ہو گی۔ بہت سے جاندار زندہ ہوتے ہیں لیکن ایسے بے حس وحرکت ہوتے ہیں کہ مردے میں اور ان میں بہت کم فرق ہوتا ہے یہی مثال اس نمازی کی نماز کی ہے جو تکبیر حضور قلب سے کہے اور پھر غافل ہو جائے۔

روزے کی نسبت امام ممدوح کہتے ہیں کہ اس سے مقصد اصلی یہ ہے کہ نگاہ کو، زبان کو، کان کو غرض جملہ اعضاء ظاہری وباطنی کو گناہ سے روکا

جائے۔ روزہ کھولنے کے وقت اناپ شناپ نہ کھایا جائے۔ افطار کے وقت اس قلق میں رہے کہ کیا روزہ قبول ہوا یا نہیں۔

قربانی کی نسبت خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے

لن ينال الله لحومها و لا دمائها ولكن يناله التقوى منكم۔ (سورۃ الحج:۲۲)

یعنی خدا کے پاس ان کے (قربانیوں کے) گوشت نہیں پہنچتے اور نہ خون پہنچتے ہیں البتہ تمہاری پرہیزگاری اس خدا تک پہنچتی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس ساری عبادتوں کا حال یہی ہے اس سے آپ یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ اسلام نے اعمال میں محض ظاہری صورت اور شکل کو پیش نظر نہیں رکھا۔ بلکہ ان کے اندرونی اثر اور معنوی منافع کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کی معنویت میں اس قدر مبالغہ بھی نہیں کیا کہ وہ محض خیالی صورتیں رہ جائیں اور جس طرح انسان ظاہری گوشت پوست اور روح کا مجموعہ ہے اسی طرح اس کے اعمال بھی مقرر کیے گئے ہیں۔ جس طرح انسان بے روح کے کوئی چیز نہیں۔ اسی طرح اس کے اعمال بے ظاہری ارکان کے قائم نہیں رہ سکتے

نیت کی صفائی: اسلام نے سارے اخلاق اور تمام اعمال کی بنیاد نیت پر رکھی ہے اور دل کو اس اعتبار سے کہ وہ سارے اعمال کا سرچشمہ ہے کل کاموں کی مقبولیت وغیرہ مقبولیت کا معیار قرار دیا ہے۔ کھوٹی اور کھری نیت کی پرکھنے والی وہ ذات واحد ہے جس کی نسبت ہر مسلمان شہادت دیتا ہے کہ وہ عالم الغیب والشہادۃ اور ظاہر و باطن کی جاننے والی ہے۔ پس اخلاق و اعمال مقبول و پسندیدہ اس وقت قرار پائیں گے جب وہ ذات پاک جو ساری خوبیوں اور پاکیزگیوں کا سرچشمہ ہیں ان کو پسند فرمائے اور یہ جب ہی ہوگا کہ انسان کے دل کے کسی پردہ اور گوشہ میں نیت کا فساد اور ارادہ کی کھوٹ پوشیدہ نہ ہو۔ اس طرح انسان پاک اخلاق اور پاکیزہ عادات کی پابندی و اہمارست سے اپنی روح کو پاک صاف کر کے نیکی اور پاکیزگی کے چشمے میں جا ملے اور جو ترقی روحانی کی معراج ہے وہ حاصل ہو جائے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ارشاد ہے۔" اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص اپنی نیت کا پھل پائے گا۔ سب اعمال سے بہتر نیت صادقہ ہے خداوند تعالیٰ اجر باندازہ نیت عطا فرماتا ہے۔ دین میں اخلاص پیدا کرلو۔ تو تھوڑا سا عمل بھی تم کو کافی ہوگا۔ اعمال کو محض خدا کے واسطے کرو کیونکہ جن اعمال میں اخلاص نہیں ان کو خداوند تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ خدا تمہاری صورتوں کو اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ صرف تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ خدا تمہارے جسموں اور اموال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نگاہ تمہارے دلوں پر ہے۔

جب یہ حال ہے تو جس شخص کا دل صالح ہوگا اس پر خدا رحمت نازل فرمائے گا۔ اعمال کی کیفیت مثل ایک برتن کے ہے جب ان کی تہہ اچھی ہے تو وہ اچھے ہیں اور جب ان کی تہ خراب ہے تو وہ فاسد ہیں۔ خبردار ہو کر سن لو کہ بدن کے اندر ایک ٹکڑا ہے جس وقت تک وہ صلاحیت پر رہے سارا بدن صلاحیت پر رہے گا اور جب وہ بگڑا تو سارا بدن بگڑ جائے گا۔ وہ ٹکڑا دل ہے نیکی کی تکمیل جب ہوتی ہے تو پردہ کے اندر وہی عمل کرے جو برملا کرتا ہے۔ جو کام تجھ کو برملا کرنا پسند نہ ہو اس کو تنہائی میں بھی مت کر پوشیدہ عمل بہتر ہے اعلانیہ سے۔ ہاں جو شخص مقتدیٰ بننے کے خیال میں ہو۔ اس کے لیے اعلانیہ مخفی سے بہتر ہے۔ احسان (اچھائی) یہ ہے کہ تو خدا کو اس طرح پوجے کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو سمجھ لے کہ گویا وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے

دل کی سچائی: اس درجہ کی تکمیل اس حدیث سے ہوتی ہے کہ آپ غزوۂ احد میں مصروف تھے اور کچھ یار بیماری سے مجبور ہو کر مدینہ میں رہ گئے تھے

۔لیکن ان کے دل آپ کی معیت کے واسطے بے تاب اور بے قرار تھے۔اس موقع پر آپ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا

لقد شهد كم اقوام بالمدينة حبهم المرض

یعنی یقیناً وہ لوگ تمہارے ساتھ ہیں جن کو بیماری نے مدینہ میں روک رکھا ہے۔

جس طرح نیت کی صفائی اور دل کی سچائی کی تاکید فرمائی ہے اسی طرح ریا اور سمعہ (نام ونمود) سے بچنے کی ہدایت کی ہے اور طرح طرح سے اس کے خطرہ کو ذہن نشین فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ" قیامت کے روز سب سے زیادہ شدید عذاب اس شخص کو ہوگا جو لوگوں کو یہ دکھلائے کہ اس میں نیکی ہے حالانکہ وہ نیکی سے خالی ہو"۔ خداوند تعالی نے ریاکار پر جنت کو حرام فرمادیا ہے۔ مجھ کو اپنی امت کے لئے سب سے زیادہ جس بات کا اندیشہ ہے وہ شرک کا ہے۔ اس کو اچھی طرح سن لو کہ میرا مطلب یہ نہیں کہ تم سورج اور چاند اور بتوں کو پوجنے لگو گے بلکہ وہ اعمال جو خدا کے سوا اوروں کے لیے کیے جائیں (چھپی ہوئی خواہشیں مراد ہیں) تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے اور خدا کے محبوب بندے وہ چھپے ہوئے پرہیز گار ہے جو اگر غائب ہو جائیں تو ان کا غائب ہونا کسی کو معلوم نہ ہو اور جب حاضر ہوں تو ان کو کوئی نہ پہچانے۔ یہ لوگ امت کے پیشوا اور ہدایت کے چراغ ہیں۔ خدا کے نزدیک تو سب سے برا وہ شخص ہے جس کے کپڑے اس کے اعمال سے بہتر ہوں۔ اس کے کپڑے تو انبیاء کے سے ہوں اور اعمال متکبروں کے سے۔

ریا صرف یہی نہیں کہ جو نہ ہو اس کو دکھایا جائے بلکہ وہ اعمال نیک جن کا اظہار باعث شہرت ہو سکے ان کے اظہار سے بھی منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

" دو شہرتوں سے بچو۔ ایک پشمینہ کی دوسری ریشم کی"۔ (یعنی فقیرانہ ہیئت اور امیرانہ ٹھاٹھ، دونوں کی نمائش بربادی کا باعث ہے) اس زمانہ کے لحاظ سے پشمینہ کی جگہ کشمیرہ ہوسکتا ہے اس لئے کہ کوٹ پتلون کی نمائش بھی بہت سے دماغوں کو خودی بلکہ بے خودی کی ہوا میں اڑائے پھرتی ہے ۔بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مغربی شائستگی سے قطعاً بے مس ہیں لیکن صرف چند گز کشمیرہ کے بدن پر لپٹ جانے سے ان کی یہ بری حالت ہو جاتی ہے کہ اپنے آپ کو آسمان پر اور اپنے ابنائے جنس کو ذلت کے غار میں دیکھنے لگتے ہیں۔ اگرچہ معنوی لحاظ سے ان کی حیثیت ان کاٹھ کے پتلون سے بڑھ کر نہیں ہوتی جو انارکلی بازار میں ٹیلری کی دوکان کے دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا اب اصل مطلب سنئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

" جو شخص اپنی نماز ایسے موقع پر اچھی طرح ادا کرتا ہے جہاں لوگ اسے دیکھیں اور پھر تخلیہ میں بری طرح ادا کرتا ہے تو یہ ایک قسم کی اہانت ہے جو وہ اپنے رب کی کرتا ہے"۔

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے چیخ ماری۔ آپ نے سن کر فرمایا یہ کون شخص ہے جو ہمارے دین کو دھوکہ بنائے دیتا ہے۔ اگر وہ سچا ہے تو اس نے اپنے نفس کو شہرت دی اور اگر جھوٹا ہے تو خدا اس کو رسوا کرے" حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک بار کہا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ پشمینہ پہنتے ہیں تواضع کے ارادہ سے۔ حالانکہ ان کے دل خود پسندی و تکبر سے لبریز ہوتے ہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالی عنہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کے ایک صحابی نے کسی شخص کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا جو مسجد میں رو کر

اپنے رب کو پکار رہا تھا یہ دیکھ کر انہوں نے کہا "اے شخص کاش یہ تو اپنے گھر کے اندر کرتا"۔

اخلاق سے کیا مراد ہے: مولف کنز الاعمال نے اخلاق کی تعریف ان سادہ الفاظ میں کی ہے۔ و نعنی بالاخلاق ما ہو من اعمال القلوب۔ (یعنی اخلاق سے ہماری مراد دل ہیں) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نسبت ایک لطیف بحث احیاء العلوم میں کی ہے۔ اس کا خلاصہ اس موقع کے مناسب ہوگا۔ امام ممدوح فرماتے ہیں۔

انسان دو حصوں کا مرکب ہے۔ خَلق سے اور خُلق سے۔ خَلق سے مراد اس کی ظاہری صورت اور خُلق سے مراد اندرونی اندرونی ہیئت ہے۔ جس طرح ظاہری اعضاء کے حسین اور موزوں ہونے سے انسان خوبصورت کہلاتا ہے، اسی طرح اندرونی ہیئت کی خوبی سے خوش خلقی پیدا ہوتی ہے۔ اصطلاحاً خُلق نفس انسانی کی وہ ہیئت راسخہ ہے جس کی تحریک انسان سے بے تکلف افعال سرزد کراتی ہے اور ان کے کرنے میں سوچنے اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اگر وہ اندرونی ہیئت انسان سے نیک افعال صادر کراتی ہے تو اس کو حسن خلق کہیں گے اور اگر برے افعال بے تکلف سرزد کراتی ہے تو اس کا خلق بد ہوگا۔ جس طرح جمال ظاہری کے لئے آنکھ کان اور ناک وغیرہ کا خوبصورت ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح خلق کی خوبی کے واسطے ان چار قوتوں کا حسن لازم ہے۔ قوت علم، قوت غضب، قوت خواہش اور قوت عدل میں اچھے اور برے کے امتیاز پر بے تکلف قادر ہو۔ قوت غضب کا حسن یہ ہے کہ غصہ کی باگ عقل کے ہاتھ میں ہو قوت خواہش کا حسن یہ ہے کہ وہ شرع اور عقل کے اشارہ کے تابع رہے۔ قوت عدل کا حسن یہ ہے کہ انسان اپنی قوت غصہ اور قوت خواہش کو عقل کے اشارہ کے تابع رکھنے پر قادر ہو۔ جس میں یہ چار قوتیں خوبی کے ساتھ پائی جائیں گی۔ وہ صاحب حسن خلق سمجھا جائے گا۔ جس قدر ان میں عیب ہوگا، اسی قدر ان کی باطنی وجاہت ناقص ہوگی۔ حسن خلق کی علامتیں حسب ذیل ہیں:

علامات خلق: اپنے بھائی کے لیے وہی چاہے جو اپنے لئے چاہے۔ باحیا، بے آزار، صالح، راست باز، کم کہنے والا، بہت کرنے والا، لغزشیں کم کھانے والا، نرم مزاج، صاحب عفت و شفقت، خدا کے بندوں سے نیکی سے پیش آنے والا، اہل قرابت کی رعایت کرنے والا، باوقار، صابر و شاکر، راضی برضا اور حلیم ہو۔ لوگوں کو برا بھلا نہ کہے۔ گالی نہ بکے، غیبت نہ کرے، جلد باز نہ ہو، حسد اور بخل سے پاک، ہشاش بشاش ہو، اس کی عداوت و محبت حق پر ہو، جوش ہو تو حق پر ہو، لڑے تو حق کی حمایت کے لیے۔

اس کے بعد امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم نے جو یہ قید لگائی ہے کہ افعال و بآسانی بدون خارجی اثر کے سرزد ہوں۔ ان کا یہ فائدہ ہے کہ جو شخص بہ تکلف مال خرچ کرے یا غصہ کے وقت کسی کے لحاظ میں چپ ہو رہے تو ان صفات کا نام سخاوت اور حلم نہیں ہوگا۔ نیز خلق کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ فعل میں بھی آ جائے۔ اس لئے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص حقیقی سخی ہو۔ لیکن وہ مال خرچ نہ کرے یا تو اس وجہ سے کہ اس کے پاس دولت نہیں یا یہ کہ کوئی امر اس کو نہ دینے پر مجبور کر رہا ہو۔ اسی طرح ممکن ہے کہ ایک شخص فی الواقع بخیل ہو مگر کسی کے دباؤ سے یا دکھاوے کے لیے مال خوب خرچ کرتا ہو۔

اعتدال: حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق حسن کی فہرست جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے دی ہے وہ آپ کے ارشادات سے ماخوذ ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صفات میں خواہ وہ دینی ہوں یا دنیاوی اعتدال کی تاکید فرمائی ہے۔ جو اخلاق کی جان ہے بلکہ فی الحقیقت اخلاق نام ہی اس کا ہے کہ آدمی اپنے مختلف قویٰ کو اعتدال پر قائم رکھے اور افراط و تفریط کے درمیان جو راہ ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ چلا

جائے۔حدیث پاک میں آیا ہے۔

اعتدال تونگری میں بہت خوب ہے اور اعتدال فقر میں بہت خوب ہے اور اعتدال عبادت میں بہت خوب ہے۔خرچ میں اعتدال رکھنا آدھی معیشت ہے۔جو شخص اقتدار کو اختیار کرے گا۔خدا اس کو تونگر کردے گا۔جس شخص کی صفت میانہ روی ہوگی۔وہ کبھی تنگ حال نہیں ہوگا۔اس امر کی بھی تاکید ممانعت فرمائی ہے کہ انسان عبادت میں اس قدر مصروف ہو جس سے وہ حقوق کے ادا کرنے سے قاصر رہے۔چنانچہ ایک بار آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا

''اے عبداللہ مجھ کو یہ خبر دی گئی ہے کہ تم دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو ایسا مت کرو ایسا کرو گے تو تمہاری آنکھوں میں حلقے پڑ جائیں گے اور تمہارا بدن زار و نزار ہو جائے گا۔کبھی روزہ رکھو کبھی افطار کرو۔کبھی سوؤ کبھی جاگو۔اس وجہ سے کہ تمہارے بدن کا تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے''۔ایک بار آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا

''اے عثمان کیا تم میرے طریقے سے ہٹے جاتے ہو؟ کیونکہ میں سوتا ہوں اور نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔اے عثمان خدا سے ڈرو اس لیے کہ تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے اور تمہارے نفس کا تم پر حق ہے، پس تم کو لازم ہے کہ روزہ رکھو اور افطار بھی کرو اور رات کو نماز پڑھو اور سوؤ بھی۔خدا نے مجھے رسالت پہنچانے کے واسطے بھیجا ہے''۔دوسری حدیث میں ہے ''سوؤ اور جب جاگو اچھے کام کرو، چاہیے کی نماز اس وقت تک پڑھو جب تک طبیعت چاق رہے۔جب کسلمند یا سست ہو جائے تو بیٹھ جاؤ۔اے لوگو! یہ سمجھ لو کہ دین آسان ہے''

ایک روز آپ ایک مکان میں تشریف لے گئے۔تو وہاں ایک رسی بندھی ہوئی دیکھی، فرمایا یہ کیا ہے؟ کسی نے کہا فلاں بی بی نماز پڑھتے پڑھتے جب تھک جاتی ہے تو اس کے سہارے سے آرام لے لیتی ہے۔آپ نے فرمایا اس کو چاہیے کہ نماز اس وقت تک پڑھے کہ طبیعت میں نشاط رہے، جب تھک جائے تو سو رہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے صدقہ کی افراط کو روکا ہے اور فرمایا ہے کہ جو شخص خیرات میں حد سے تجاوز کرے وہ مثل اس کے ہے جو بالکل نہ دے۔

اس بات کی بھی ممانعت ہے کہ دین کے معاملہ میں سختی کی جائے یا مذہب کے حالات ایسے بیان کیے جائیں جن سے لوگ گھبرا اٹھیں۔چنانچہ کلام مجید میں ہے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن۔

یعنی (اے نبی) خدا کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور بحث کرو ان سے ایسے طریقے سے جو سب سے اچھا ہو۔حدیث میں ہے آدمیوں کو دین کی جانب دل خوش کر کے بلاؤ بھڑکاؤ مت، نرمی کرو سختی مت کرو۔جب تم ان سے خدا کی باتیں کرو تو ایسے پیرائے میں نہ کرو جس سے وہ گھبرا جائیں اور جو انکو شاق گزرے

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو بہت سے بزرگ وطن چھوڑ کر رکاب سعادت میں گئے تھے جن کا لقب مہاجرین ہے۔مدینہ میں جب یہ بزرگ پہنچے تو ان کی وہی حالت تھی جو غریب الوطن کی ہوتی ہے۔آپ نے ان کی تسکین و دلجمعی کی

یہ تدبیر کی کہ ان کے اور اہل مدینہ کے جو انصار کہلاتے تھے درمیان بھائی بندی کا رشتہ قائم کیا۔ جو "مواخات" کے نام سے ملقب ہے (اور جس کا ٹھیک ترجمہ برادرحذ ہے) یہ واقعہ تاریخ اسلام کا نہایت مشہور اور پاک واقع ہے۔ حاصل کلام حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ کے اس سلسلہ میں جو بھائی بنائے گئے تھے وہ ابوالدرداء رضی اللہ تعالی عنہ تھے۔ ایک روز سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ اپنے بھائی کے گھر گئے تو وہ موجود نہ تھے۔ بھاوج کو دیکھا تو پریشان حال پایا۔ سبب پوچھا تو انہوں نے کہا تمہارے بھائی کو دنیا سے کوئی مطلب نہیں۔ ابوالدرداء نے تو سلمان کو دیکھ کر مرحبا کہا اور اندر سے کھانا لاکر پیش کیا۔ حضرت سلمان نے ان سے ہم طعامی کی فرمائش کی تو انہوں نے نفلی نماز روزہ کا عذر پیش کیا۔ حضرت سلمان نے قسم کھا کر کہا کہ تم نہیں کھاؤ گے تو میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ ابوالدرداء بھائی کی دلجوئی کے واسطے روزہ توڑ کر کھانے میں شریک ہو گئے۔ سلمان فارسی اس روز انہیں کے گھر رہے۔ جب شب ہوئی تو حضرت ابودرداء حسب معمول نفل پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ان کے دینی بھائی نے پکڑ لیا اور کہا ابوالدرداء تم پر تمہارے رب کا ایک حق ہے، ایک تمہارے گھر والوں کا ہے اور ایک حق تمہارے جسم کا۔ پس تم کو چاہیے کہ حقدار کا حق ادا کرو۔ کبھی نفلی روزہ رکھو، کبھی مت رکھو۔ رات کو نوافل بھی پڑھو اور سوؤ اور گھر بھی رہو۔

صبح ہوئی تو سلمان رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا لو اب اٹھو۔ چنانچہ دونوں ساتھ اٹھے اور سنتیں پڑھ کر فرض ادا کرنے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے۔ جب جماعت ہو چکی تو ابوالدرداء نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کھڑے ہو کر رات کا ماجرا بیان کیا۔ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے سلمان رضی اللہ تعالی عنہ کا قول پسند فرمایا۔

عام اخلاق: راستی، راستی کو تعلیم اسلامی میں تین پہلوؤں میں دکھایا ہے۔ نیت، قول اور فعل کی راستی۔ اور یہ ہدایت فرمائی ہے کہ انسان کو ارادہ قول اور فعل تینوں میں راست باز ہونا چاہیے۔ سورہ منافقون میں خداوند تعالی منافقین کی نسبت فرماتا ہے:

اذا جاء ک المافقون قالوا نشهد انک لرسول الله یعلم انک لرسوله ولله یشهد ان المنافقین لکذبون (۶۳:۱)

ترجمہ: اے رسول جب منافق تیرے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں تو ضرور اللہ کا رسول ہے اور اللہ اس بات کو جانتا ہے کہ تو بے شک اللہ کا رسول ہے اور (اس کے ساتھ ہی) اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق بے شک جھوٹے ہیں۔

اس میں یہ امر قابل غور ہے کہ اگرچہ منافقین نے شہادت میں جو بات کہی وہ فی الواقع سچی تھی۔ لہذا انہوں نے زبان سے سچ کہا لیکن چونکہ ان کی نیت سچی نہ تھی لہذا جھوٹے ٹھہرے۔ تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ

"منافقین کی شہادت اس لئے جھوٹی ٹھہری کہ وہ اپنے نفس کے نزدیک جھوٹے تھے"

صدق نیت کی نسبت ہم اوپر یہ حدیث نقل کر چکے ہیں کہ سب اعمال میں افضل سچی نیت ہے۔ قول کی صداقت کی نسبت فرمایا ہے کہ راستی پر قائم رہو۔ اگرچہ اس میں تم کو ہلاکت نظر آئے اس لیے کہ فی الواقع اس میں نجات ہے اور جھوٹ سے بچو اگرچہ تم کو اس میں نجات نظر آئے اس لیے کہ وہ فی نفسہ ہلاکت ہے۔ سچ کو مضبوط پکڑ لو۔ اس لیے کہ سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے نیکی جنت میں پہنچاتی ہے اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچ پر کاربند رہتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا کی بارگاہ میں میں راستباز لکھ دیا جاتا ہے اور بچو جھوٹ سے کیونکہ جھوٹ بدکاری کا رہنما ہے بدکاری دوزخ کی راہ ہے اور آدمی جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ پر کاربند رہتا ہے یہاں تک کے بارگاہ الہی میں کذب لکھ دیا جاتا ہے۔

عقیدۂ توسل

رئیس التحقیق سید یوسف رفاعی۔مترجم عبدالحکیم شرف قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چونکہ نفس توسل بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے، اس لیے اس کی قسموں کے بارے میں گفتگو ان اختلافی مسائل سے تعلق رکھتی ہے، جن میں ایمان اور کفر یا توحید اور شرک کا فرق نہیں ہوسکتا، ہاں جائز یا ناجائز، اسی طرح حلال یا حرام ہونے میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ توسل کی تین قسموں پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور ان میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں ہے

۱: اللہ تعالی کے مقبول بندے کی ظاہری حیات میں توسل، جیسے کہ ایک نابینا صحابی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے کیا۔ اس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔

۲: زندہ آدمی کے عمل صالح سے اللہ تعالی کی بارگاہ میں توسل، جیسے کہ حدیث غار میں ہے کہ تین شخص ایک غار میں داخل ہوئے اور ایک بھاری پتھر نے اس غار کا راستہ بند کر دیا۔ یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے

۳: اللہ تعالی کی بارگاہ میں اس کی ذات اقدس اور اسماء وصفات سے توسل۔

چونکہ یہ تینوں قسمیں بالاتفاق جائز ہیں، لہٰذا ان کے جواز پر دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

البتہ کسی مقبول بارگاہ ہستی کے وصال کے بعد اس کی ذات سے توسل میں اختلاف ہے۔ جمہور مسلمانوں یعنی اہل سنت کے نزدیک جائز ہے، ان کے پاس اس نظریے پر متعدد نقلی دلائل ہیں جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں۔ ہم اس جگہ ان میں سے نابینا صحابی کی حدیث پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، کیونکہ اس مسئلے میں اس کی بنیادی حیثیت ہے اور وہی زیادہ تر موضوع گفتگو ہوتی ہے

توسل اور حاجت روائی میں نابینا صحابی کی حدیث: امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی ہیں کہ ایک نابینا صحابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ! میری بینائی زائل ہوگئی ہے۔ میرے لیے اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا فرمایئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جا کر وضو کر اور دو رکعت پڑھ پھر یوں دعا مانگ:

اللھم انی اسئلک و اتوجه الیک بنبی محمد نبی الرحمة یا محمد انی استشفع بک علی ربی فی رد بصری

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف نبی اکرم، نبی رحمت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں، اے اللہ کے حبیب! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری بینائی کی واپسی کے لئے اللہ تعالی کی بارگاہ میں سفارش فرمائیں۔

ایک روایت میں ہے کہ میری حاجت کے بارے میں شفاعت فرمایئے کہ وہ پوری کی جائے۔ اے اللہ آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تمہیں کوئی حاجت درپیش ہو تو ایسا ہی کرنا۔ حدیث کی روایات میں الفاظ کا معمولی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن وہ زیادہ اہم نہیں ہے۔

فقہاء نے اس حدیث سے صلاۃ الحاجۃ کا مستحب ہونا ثابت کیا ہے، جسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی حاجت ہو تو وہ یہ نماز پڑھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا مانگے۔ اس کے علاوہ جو دعائیں ذہن میں آئے اور اس کی ضرورت محسوس ہو مانگے خواہ وہ روایات میں وارد ہو یا نہ۔

زندہ شخصیت سے توسل کا صحیح ہونا اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہے۔ البتہ اس کے معنی و مفہوم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس ہستی کا وصال ہو جائے اس کا وسیلہ پکڑنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ زندہ یا میت سے توسل کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے جسم یا اس کی زندگی اور موت سے وسیلہ پکڑا جا رہا ہے، بلکہ وسیلہ اس وصف جمیل کی بنا پر پکڑا جاتا ہے جو زندگی اور موت دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ جس کی بنا پر وہ شخصیت زندگی اور موت دونوں صورتوں میں عزت و کرامت کی مستحق ہے۔ اس کے علاوہ یا محمد غائبانہ ندا کی گئی ہے۔ جس میں زندگی اور وصال برابر ہیں۔ دراصل توسل اس وصف جمیل سے متعلق ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محترم ہے اور روح کو لازم ہے اور اسی وصف کی بنا پر کسی ہستی کی زندگی میں یا وصال کے بعد یکساں طور پر توسل کیا جا سکتا ہے۔

توسل بعد از وصال: امام طبرانی معجم صغیر میں ابو امامہ بن سہل بن حنیف سے راوی ہیں۔ وہ اپنے چچا حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ایک شخص کسی مقصد کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی طرف توجہ دینے اور اس کا مقصد پورا کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور شکایت کی کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وصال کے بعد کا واقعہ ہے۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وہ صحابی ہیں محدث اور اللہ تعالیٰ کے دین کے عالم ہیں) نے فرمایا تم وضو کرنے کی جگہ جا کر وضو کرو پھر مسجد میں جا کر دو رکعتیں ادا کرو۔ اس کے بعد یہ دعا مانگو، اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اپنے نبی، نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے تیری طرف توجہ کرتا ہوں، یا رسول اللہ! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت پوری فرمائے۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس جگہ اپنی حاجت بیان کرنا، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جانا میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ اس شخص نے تمام ہدایات پر عمل کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر حاضر ہو گیا۔ اتنے میں دربان نے آکر اس کا ہاتھ پکڑا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گیا۔ آپ نے اسے اپنے ساتھ گدے پر بٹھایا اور فرمایا تمہارا کیا کام ہے۔ اس کے بیان کرنے پر آپ نے وہ کام کر دیا اور فرمایا مجھے اس وقت تک تمہارا کام یاد ہی نہیں آیا تھا۔ آئندہ جو حاجت ہو وہ بیان کر دیا کرو۔ وہ شخص باہر نکلا تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ کی سفارش سے پہلے تو امیر المومنین میری طرف توجہ ہی نہیں فرماتے تھے اور میری حاجت پر غور ہی نہیں فرماتے تھے۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بخدا میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ اصل بات یہ ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا ایک نابینا صحابی نے حاضر ہو کر بینائی کے زائل ہو جانے کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کیا تو صبر کرے گا؟۔ اس نے عرض کی کہ میرا ہاتھ پکڑ کر لے جانے والا کوئی نہیں اور میں بہت دشواری میں مبتلا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو خانے میں جا کر وضو کر دو رکعت نماز پڑھ، اس کے بعد یہ دعا مانگ جو حضرت عثمان بن حنیف رضی

اللہ تعالی عنہ نے اس شخص کو بتائی تھی۔ ابن حنیف فرماتے ہیں کہ بخدا ہم بیٹھے ہوئے گفتگو کر ہی رہے تھے کہ وہ شخص ہمارے پاس آئے اور بالکل تندرست، گویا انہیں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔

یہ صحابی کی نص صریح ہے کہ اللہ تعالی کے محبوب بندوں سے ان کے وصال کے بعد بھی توسل جائز ہے۔ امام بیہقی، منذری اور ہیثمی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

حدیث ضریر کی صحت کی تحقیق: امام طبرانی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ عثمان بن عمر، اشعبہ سے اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ امام طبرانی نے اپنے علم کے مطابق عثمان بن عمر کے منفرد ہونے کا ذکر کیا ہے، انہیں حضرت شعبہ سے روح بن عبادہ کی روایت نہیں پہنچی حالانکہ وہ بھی سند صحیح ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عثمان بن عمر اس کی روایت میں منفرد نہیں ہیں۔

ہم (شیخ رفاعی) کہتے ہیں اگر تسلیم کر لیا جائے کہ عثمان بن عمر، اشعبہ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ اسی طرح ابوجعفر، حضرت عمارہ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں تو کیا ہوا؟ یہ دونوں بالاتفاق محدثین ثقہ اور مستند ہیں۔ شیخ ابن تیمیہ کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ امام ترمذی کا اس حدیث کو غریب قرار دینا درست نہیں ہے، اگرچہ بہت سی حدیثیں صحیح ہونے کے باوجود غریب ہیں، مثلاً یہ حدیث: انما الاعمال بالنیات۔

اس تفصیل سے علمی طور پر ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث شیخین (امام بخاری و مسلم) کی شرط پر صحیح ہے۔ اس کے باوجود بعض لوگ جن کے سینے مخصوص اغراض کی آماجگاہ ہیں، نابینا صحابی کی حدیث کو امام ترمذی کی روایت کے مطابق ضعیف قرار دیتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی غیر معروف ہے حالانکہ علماء حدیث کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ ایک راوی ایک محدث کے نزدیک مجہول ہو اور دوسرے کے نزدیک معلوم، تو جس کے نزدیک معلوم ہے اس کا قول راجح ہوگا، تمام اہل علم اور خصوصاً محدثین کے نزدیک مثبت مقدم ہے نفی کرنے والے پر۔

امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا، یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے اور صرف ابوجعفر کی روایت سے معلوم ہے۔ امام ترمذی نے یہ بھی فرمایا یہ راوی خطمی (خا کے فتح کے ساتھ) کے ماسوا ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوجعفر کے امام ترمذی کے نزدیک مجہول ہونے کے باوجود اس حدیث کے راوی ان کے نزدیک حسن اور صحیح کے راویوں کے درجہ میں مقبول ہیں۔

امام ترمذی سے پہلے محدثین نے تحقیق کی ہے کہ یہ ابوجعفر جو امام ترمذی کے نزدیک مجہول ہیں، وہ خطمی ہی ہیں، ابن ابی خیثمہ نے فرمایا یہ ابو جعفر جن سے حماد بن سلمہ روایت کرتے ہیں، ان کا نام عمیر بن یزید ہے اور یہ وہی ابوجعفر ہیں جن سے شعبہ روایت کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے حدیث روایت کی بروایت عثمان عن ابی جعفر۔

شیخ ابن تیمیہ، امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث بیان کر کے کہتے ہیں کہ دیگر علماء کہتے ہیں کہ یہ ابوجعفر خطمی ہی ہیں اور یہی صحیح ہے۔

ہم کہتے ہیں حافظ ابن حجر، تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں کہ یہ ابوجعفر خطمی ہی ہیں اور وہ صادق ہیں اور چھٹے درجے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب میں فرماتے ہیں کہ یہ خطمی ہی ہیں۔ پھر امام بیہقی نے براویت حاکم نے حدیث اسی طرح روایت کی ہے اور اس کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے۔ حاکم نے یہ حدیث ایسی سند سے روایت کی جو شیخین کی شرط پر پوری اترتی ہے۔ حافظ ذہبی نے اسے برقرار رکھا اور شوکانی نے اسے

بطور دلیل پیش کیا اور ان دونوں کی شدت سے ہر صاحب علم باخبر ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ سند کے تمام راوی اکابر آئمہ محدثین مثلاً علامہ ذہبی جن کا تشدد معروف ہے، ابن حجر جن کا حفظ وضبط اور تحقیق میں پایہ معلوم ، حاکم بیہقی، طبرانی، ابن عبدالبر، شوکانی، یہاں تک کہ ابن تیمیہ کے نزدیک معروف ہیں۔

پھر یہ حدیث امام بخاری نے تاریخ کبیر میں، ابن ماجہ نے سنن میں اور تصریح کی کہ یہ صحیح ہے۔ نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں، ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں بیہقی نے دلائل النبوۃ میں، منذری نے الترغیب میں، ہیثمی نے مجمع الزوائد میں، طبرانی نے معجم کبیر میں، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور دیگر محدثین نے روایت کی۔

اس حدیث کے صحیح ہونے کی پندرہ حفاظ حدیث نے تصریح کی اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ حدیث امام بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے، تو اس کے بعد حدیث کے صحیح ہونے میں کسی طعن کرنے والے یا نکتہ چیں کے لئے گنجائش نہیں رہ جاتی۔

علاوہ ازیں علم و عقل اور محبت کی رو سے کسی زندہ یا میت سے توسل کرنا جائز ہے۔ اس تمام تحقیق کے باوجود اس معاملے میں گنجائش ہے، جو چاہے نہ کرے، مگر فتنہ برپا کرنے اور دوسروں کو گناہ گار قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

صحابہ کرام کا حضرت عباس سے توسل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے بارش کی دعا مانگتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے توسل کیا اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے وصال کے بعد توسل جائز نہیں ہے کیونکہ ان دنوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ جب صحابہ کرام کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے پیش نظر حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے توسل کر رہی تھی اور اس کا بھی یہی مطلب تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے توسل کر رہے تھے۔ تو دوسری طرف بعض صحابہ روضۂ مبارک صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر اللہ تعالی کی بارگاہ میں حضور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کر کے بارش کی دعا کر رہے تھے۔

ابن ابی شیبہ بسند صحیح حضرت مالک الدار سے راوی ہیں جیسے کہ فتح الباری میں ہے، امام بخاری نے یہ حدیث تاریخ کبیر میں بیان کی۔ ابن ابی خیثمہ، امام بیہقی، دلائل النبوۃ میں راوی ہیں کہ حضرت بلال بن حارث مزنی صحابی رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں واقع ہونے والے قحط کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا فرمائیے کہ وہ ہلاکت کے کنارے پر پہنچ چکی ہے (الی آخر الحدیث)

امام ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں صحابہ کرام کے حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے توسل کا سبب بیان کیا ہے (اور وہ یہ ہے کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت حاصل ہے) اور سبب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے وصال کے بعد توسل کے منافی نہیں ہے، بلکہ یہ آپ ہی کی ذات اقدس سے توسل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے بیک وقت حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے توسل کیا، ورنہ کیا سبب تھا کہ انہوں نے دوسرے حضرات کی موجودگی میں حضرت عباس ہی کو منتخب کیا۔ حافظ ابن حجر کا فتح الباری میں کلام بھی اسی پہلو کی تائید کرتا ہے۔

جمہور علماء المسلمین کے موقف کو اس واقعہ سے بھی تقویت ملتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے روضہ مبارک کی چھت میں روشندان کھولا گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کیا گیا کہ وہ بندوں پر مہربانی فرمائے جیسا کہ حضرت ابوالجوزا سے مروی ہے۔ یہ حدیث امام دارمی نے اپنی سنن میں روایت کی۔ حضرت ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس پر تائیدی کلمات تحریر فرمائے۔

اس تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت سے توسل ایک فرع ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل اصل ہے اور یہ فرع کسی بھی طرح اصل کے منافی نہیں ہے نہ عقلاً نہ نقلاً۔

علماء اصول اور محبوب الٰہی کا وصال کے بعد توسل: اصول دین کے علماء اس میدان میں خصوصیت کے حامل ہیں، ان کی گفتگو کے بعد منکر کی گفتگو کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ انھوں نے مقبولان بارگاہ کے وصال کے بعد ان سے توسل کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کے پیش رو ہیں، علمی دنیا کے عظیم عالم امام فخر الدین رازی مطالب عالیہ میں، امام البیان علامہ سعد الدین تفتازانی شرح المقاصد میں اور امام بلاغت علامہ سید شریف جرجانی، حاشیہ مطالع میں، اس مسئلے میں ان حضرات کے عقلی اور نقلی دلائل پیش کئے ہیں اور صاحب مزار اور زائر کے درمیان امداد اور فیضان اور دنیا و آخرت میں دونوں کے مقام کے مطابق روحانی تعلق کے فلسفے پر روشنی ڈالی ہے۔

منسک امام احمد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کرنے کے بارے میں ابوبکر مروزی کی ایک روایت مذکور ہے نیز ابوالوفا ابن عقیل نے التذکرۃ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے توسل کے طویل کلمات ذکر کئے ہیں جو حنابلہ کے نزدیک رائج ہیں۔ ثابت ہوا کہ اکابر حنابلہ کے نزدیک اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام شافعی کا امام ابوحنیفہ سے ان کے وصال کے بعد توسل تاریخ خطیب کی ابتدا میں سند صحیح سے مذکور ہے۔

فمال هٰؤلاء القوم لا يفقهون حديثاً (النساء۴:۷۸)

اس قوم کو کیا ہے کہ یہ کوئی بات سمجھتی ہی نہیں۔

مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے دعائے مغفرت: سید علوی مالکی نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے بہت سے نبوی فائدے اور بہت سی محمدی امدادیں ہیں۔ ابن منیع اس کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''ہمیں معلوم نہیں کہ محمدی امداد سے مالکی کی کیا مراد ہے؟'' اسی طرح سید مالکی نے الذخائر المحمدیہ میں صلوۃ وسلام کا ایک طریقہ بیان کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کی درخواست لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ اس پر بھی ابن منیع نے نکتہ چینی کی ہے۔

ہم آئندہ سطور میں اس اعرابی کا واقعہ بیان کریں گے جس نے اپنے آپ کو گناہگار تصور کرتے ہوئے، روضہ اطہر پر حاضری دی اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور معافی کی دعا کی۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ابن جوزی نے مثیر الغرام میں اور ابن نجار نے اپنی اپنی سند سے روایت کی۔ محمد بن حرب کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہوا۔ زیارت کے بعد میں سامنے ہی بیٹھ گیا۔ اس کے بعد پورا واقعہ بیان کیا جیسے آگے آرہا ہے۔ (جاری ہے)

پاکستان میں نفاذ اسلام
کی راہ میں حائل رکاوٹیں

جناب پروفیسر طیب علی ایڈووکیٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اگر کسی بھی پاکستانی سے سوال کیا جائے کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ تو یقینی طور پر جواب ملے گا اللہ الہ الا اللہ محمد رسول (جل جلالہ وصلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔ یہ ایک بنیادی وجہ تھی جو کہ قیام پاکستان کا محرک تھی۔ جس کا بجا طور پر اظہار بانیان پاکستان کے اقوال وافعال میں ملتا ہے۔لیکن عرصہ ہائے دراز گزرنے کے باوجود پاکستان میں نفاذ اسلام نہیں ہوسکا۔اس کی وجہ جاننے کی جب کوشش کرتے ہیں تو اس کا جواب جاننے سے پہلے تمہیداً کچھ باتیں سمجھ لی جائیں۔ پھر ہم ان وجوہات کا ذکر کرتے ہیں جو نفاذ اسلام کی راہ میں حائل رکاوٹیں ہیں۔

آج ہم ایک ایسے معاشرے میں زندگی گزار رہے ہیں جس میں سیکولر تصورات اس دنیا کے دل ودماغ پر چھائے ہوئے ہیں۔اور یہ بات تقریباً ساری دنیا میں بطور ایک مسلمہ مان لی گئی ہے کہ کسی ریاست کو چلانے کا بہترین سسٹم سیکولر نظام ہے اور اسی سیکولر نظام کے دائرے میں رہتے ہوئے ریاست کو کامیابی کے ساتھ چلایا جاسکتا ہے۔ایسے ماحول میں جہاں دنیا کی بیشتر ریاستیں نہ صرف سیکولر ہونے کا دعوی کرتی ہیں بلکہ اس پر فخر بھی کرتی ہیں۔ایسے معاشرے میں یہ آواز بلند کرنا کہ ہمیں اپنے ملک کو، اپنے قانون کو، اپنی معیشت اور سیاست کو، اپنی زندگی کے ہر شعبے کو اسلامائز کرنا چاہتے تو یہ آواز آج کی اس دنیا میں اجنبی معلوم ہوتی ہے۔لیکن اگر اس بات کا عمیق نظروں سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک سیکولر نظام حکومت میں عقل، تجربے اور مشاہدے کو آخری معیار قرار دیا گیا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ معیار کتنا مضبوط ہے؟ کیا یہ معیار اس لائق ہے کہ قیامت تک آنے والی انسانیت کی رہنمائی کر سکے؟ کیا یہ معیار تنہا عقل کے بھروسے پر تنہا مشاہدے اور تجربے کے بھروسے پر ہمارے لئے کافی ہوسکتا ہے؟ یقیناً یہ ناممکن ہے۔کیونکہ یہ نظام انسانوں کا بنایا ہوا ہے۔جبکہ انسانی نفسیات پل پل تبدیل ہوتی رہتی ہے۔آج اگر ایک نظام بہترین ہے تو کل حالات اور واقعات تبدیل ہونے سے یہی قانون بدترین بھی ثابت ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالی نے ہمیں علم کے حصول کے لیے پانچ حواس عطا فرمائے ہیں۔ایک مرحلہ پر جا کر ان پانچوں حواس کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔اس مرحلے پر نہ تو آنکھ کام کرتی ہے نہ کان اور زبان کام کرتی ہے، نہ ہی ہاتھ مدد کرتے ہیں۔یہ وہ مرحلہ ہے جہاں اشیاء براہ راست مشاہدے کی گرفت میں نہیں آتیں۔اس موقع پر اللہ تعالی نے ہمیں اور آپ کو علم کا ایک اور ذریعہ عطا فرمایا ہے اور وہ ہے "عقل"۔ جہاں پر حواس خمسہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں وہاں پر عقل کام کرتی ہے۔

لیکن جس طرح ان پانچوں حواس کا دائرہ کار لامحدود نہیں بلکہ ایک حد پر جا کر ان کا دائرہ کار ختم ہو جاتا ہے۔اسی طرح عقل کا دائرہ کار بھی لامحدود نہیں عقل بھی ایک حد تک انسان کا کام دیتی ہے۔اس حد تک رہنمائی کرتی ہے، اس سے آگے اگر عقل کو استعمال کرنا چاہیں گے، تو وہ عقل صحیح جواب نہیں دے گی، صحیح رہنمائی نہیں کرے گی۔جس جگہ عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے وہاں اللہ تعالی کی طرف سے انسان کو ایک تیسرا ذریعہ علم عطا کیا

گیا اور وہ ہے وحی الٰہی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اور آسمانی تعلیم۔ یہ ذریعہ علم شروع ہی اس جگہ سے ہوتا ہے جہاں عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جس جگہ وحی الٰہی آتی ہے اس جگہ پر عقل کو استعمال کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ آنکھ کے کام کے لیے کان کو استعمال کرنا اور کان کے استعمال کے لیے آنکھ۔ اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ عقل بیکار ہے، نہیں یقیناً وہ کارآمد چیز ہے بشرطیکہ آپ اس کو اس کے دائرے کا استعمال کریں۔ اگر اس دائرہ کار سے باہر استعمال کریں گے تو یہ بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص آنکھ اور کان سے سونگھنے کا کام لے۔

اسلام اور سیکولر نظام حیات میں یہی فرق ہے کہ سیکولر نظام میں علم کے لیے دو ذرائع استعمال کرنے کے بعد رک جاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انسان کے پاس علم کے حصول کا کوئی تیسرا ذریعہ نہیں ہے۔ بس ہماری آنکھ کان ناک ہے یہ ہماری عقل ہے اس سے آگے کوئی اور ذریعہ علم نہیں ہے اور اسلام یہ کہتا ہے کہ ان دونوں ذرائع سے آگے تمہارے پاس ایک اور ذریعہ علم بھی ہے اور وہ ہے وحی الٰہی۔ یعنی یہی وجہ ہے جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور جس کے لیے قرآن کریم اتارا گیا چنانچہ قرآن کریم کی آیت ہے۔

ترجمہ: ہم نے آپ کے پاس یہ کتاب اتاری جس سے واقعہ کے موافق آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔ (النساء، ۱۰۵)

بعض افراد کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ چودہ سو سال پرانی زندگی کو کیسے لوٹائیں۔ چودہ سو سال پرانی باتوں کو آج کی اکیسویں صدی پر کیسے اپلائی کریں۔ جدید ٹیکنالوجی کی بدولت ہماری ضروریات نوع بنوع ہیں، بدلتی رہتی ہیں۔

بات دراصل یہ ہے اسلامی علوم سے انسیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اسلام نے اپنے احکام کے تین حصے کئے ہیں۔ ایک حصہ وہ ہے جس میں قرآن وسنت کی نص قطعی موجود ہے۔ جس میں قیامت تک آنے والے حالات کی وجہ سے کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ دوسرا حصہ وہ ہے جس میں اجتہاد اور استنباط کی گنجائش رکھی گئی ہے اور اس میں اس درجہ کی نصوص قطعیہ نہیں جو زمانہ کے حال پر اپلائی کریں۔ اس میں اسلامی احکام کی لچک خود موجود ہے اور احکام کا تیسرا حصہ وہ ہے جس کے بارے میں قرآن وسنت خاموش ہیں۔ جن کے بارے میں کوئی واضح احکام نہیں ہے اور کوئی حکم نہیں دیا۔ اس کو ہماری عقل پر چھوڑ دیا اور اس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ہر دور میں انسان اپنی عقل اور تجربہ کو استعمال کر کے خالی میدان میں ترقی کر سکتا ہے اور ہر دور کی ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ کیونکہ قانون ایزدی ہے۔

لیس الانسان الا ماسعیٰ

عصر حاضر کی تاریخ میں پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ لیکن ان روشن حقائق کے باوجود پاکستان ہی ایسا ملک ہے جہاں نہایت سرعت کے ساتھ اسلام کے نام پر غیر اسلامی معاشرہ پھیل رہا ہے۔ پاکستان ہی وہ بدنصیب ملک ہے، جہاں شعوری یا غیر شعوری طور پر اسلامی شعائر، اسلامی خصائل اور اسلامی تہذیب کو دفنایا جا رہا ہے۔ پاکستان ہی وہ خطہ ہے جہاں ملک وملت کے خزانے کی بھاری رقمیں اسلام کی تحریف پر خرچ کی جارہی ہیں۔

پاکستان ہی وہ مملکت ہے جہاں آزادی رائے کے بہانے سے تمام عیسائی مشنریوں کو اور تمام بے دین این جی اوز کو دل کھول کر اسلام پر اعتراضات کرنے اور طعن وتشنیع کا نشانہ بنانے کا موقع دیا جا رہا ہے۔ پاکستان ہی وہ سلطنت ہے جس کے جتنے بھی حکمران آئے ہر ایک کے عہد حکومت میں پاکستان کے دینی معیار کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش کی گئی یا کم از کم دینی معیار بلند کرنے سے غفلت برتی گئی۔

تعجب وتاسف کا مقام یہ ہے کہ ایک طرف تو قرارداد مقاصد اور دستور میں یہ طے ہے کہ کتاب وسنت پر پاکستان کے قانون کا مدار ہے اور

کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود پاکستان میں ابھی تک نفاذ اسلام نہیں ہو سکا۔ اس کی وجوہات پر نظر ڈالیں تو بہت سی وجوہات نظر آتی ہیں ان تمام کا ایک سرسری جائزہ درج ذیل ہے۔

☆......اسلامی تعلیمات سے دوری

پاکستان میں اسلامی نظریہ کو محوری حیثیت حاصل ہے۔ ملک کی یکجہتی اور سلامتی کے لیے قائم صدیوں کے درمیان یکجہتی کے لیے اسلام میں ایک مستقل قوت ہے، اس لیے نئی نسل کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کروانا ضروری ہے۔ بدقسمتی سے نئی نسل کو جو تعلیم دی جا رہی ہے وہ مغربی اور سیکولرزم کی تعلیم ہے، جو پاکستان میں نفاذ اسلام کی راہ میں بہت سے بڑی رکاوٹ ہے۔

پاکستان میں نفاذ اسلام کیلئے نئی نسل کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کروانا ضروری ہے۔ ہماری نئی نسل پر مادیت کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالی اور اس کے برگزیدہ دین سے نہ صرف ناواقف ہیں بلکہ منحرف ہیں۔ ہمارے تعلیمی ادارے (یونیورسٹیاں، کالجز) اس سلسلے میں جو کردار ادا کر رہے ہیں اس سے کون بے خبر ہے؟

☆......بحیثیت قوم تشکیل نہ ہونا

دنیا میں وہی قومیں ترقی کرتی ہیں جن میں انتشار وافراق کی کیفیت یا ان عوامل کی گنجائش نہ ہو۔ ہمارے ملک میں 70 سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود، آج تک قوم کی تشکیل نہیں ہو سکی۔ ہر ایک اپنی سیاست چمکانے کے لیے قوم کو لسانیت، صوبائیت اور فرقہ واریت جیسے عفریتوں میں جکڑ دیتا ہے۔

☆......اسلام دشمن طاقتوں کی سازشیں

اسلام دشمن طاقتیں تمام اسلامی ممالک میں سے پاکستان کی سب سے زیادہ دشمن ہیں۔ اس لئے انہوں نے ترجیحی بنیادوں پر ساری توانائیاں شدومد کے ساتھ پاکستان کو نقصان پہنچانے میں صرف کر رہی ہیں۔ ان کی ہر ممکن کوشش یہی ہے کہ پاکستان میں نفاذ اسلام نہ ہو سکے۔ پاکستان کی معیشت کی کمزوری کا سہارا لیتے ہوئے کبھی امداد روکنے یا امداد کو نیٹو سپلائی کی بحالی سے مشروط کیا جا رہا ہے اور کبھی ایسے واقعات جن کا اسلام کی روح سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، چند ایک گروہوں کا معاملہ ہوتا ہے، اسلامی بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور اسلام کے خلاف سازشوں کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا جاتا۔

☆......مذہب کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں نظریہ کا فروغ

ہمارا موجودہ کلچر عین اسلامی نہیں ہے بلکہ ہم ایک غیر مسلم کلچر کا حصہ بن کر رہ گئے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ سوچ عام ہے کہ مذہب کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب کہ اسلام میں مذہب سیاست اور سیاست مذہب ہے۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اس کے علاوہ ہمارے جو لوگ بھی طاقت میں آتے ہیں وہ صحیح معنوں میں اسلام کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ (جاری ہے)

امت مسلمہ کے نوجوان کے نام۔۔۔اہم پیغام

حافظ بلال حسین گورائیہ ایڈووکیٹ ناظم اعلی (اسلام آباد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نوجوان کسی بھی قوم کا سرمایہ حیات ہوتا ہے قوموں کی ترقی کی ڈور نوجوان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ایک سروے کے مطابق عالم اسلام میں (بالخصوص پاکستان میں ساٹھ فیصد) سب سے زیادہ نوجوانوں کی تعداد ہے باقی پورے عالم کے پاس چالیس فیصد ہے اب عالم کفر کو خطرہ صرف ان پروانوں سے ہے، عشق محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ان دیوانوں سے ہے، نعرہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ان مستانوں سے ہے، اقبال کے ان شاہینوں سے ہے، نور اسلام سے چمکتی ان جبینوں سے ہے۔

اس قدر ذخیرہ ہونے کیساتھ ساتھ یہ نوجوان، ستاون اسلامی ملک، سوا ارب آبادی، اپنی صلاحیتوں کا سکہ منوانے والی فوج، دنیا کے تیل پہ قبضہ، قدرتی گیس کے ذخائر بھی اپنی زنبیل میں لیکن باوجود اس کے پھر بھی ہر جگہ مسلمان ہی مار کھا رہا ہے دنیا کے جس کونے پہ ظلم ہوتا ہے وہ مسلمان کے بیٹے پر ہی ہوتا ہے، جب عزت نیلام ہوتی ہے تو مسلمان کی بیٹی کی ہوتی ہے، توہین ہوتی ہے تو اسی مسلمان کی ماں کی ہوتی ہے، جب کوئی پابندی لگتی ہے تو مسلمان ملک پہ ہی لگتی ہے۔

کشمیر سے لیکر چیچنیا، بوسنیا، عراق، افغانستان اور فلسطین اور اب تو پاکستان میں بھی مسلمان کی بیٹی کی عزت کی پامالی اور خون کی ندیاں بہائی جارہی ہیں۔عزتوں کے جنازے نکل رہے ہیں لیکن پھر بھی اس بے حس نوجوان کو ہوش تک نہ آئے تو میں کس کے سامنے جا کر اس امت کی بیٹی کی فریاد کروں۔۔۔۔کسے اس درد کی کہانی سناوں۔۔۔۔کس دیوار سے اپنا سر جا ٹکراوں۔۔۔۔عراق اور فلسطین کی مائیں اور بہنیں اس بے غیرت نوجوان کو صدائے مدد دے رہی ہیں لیکن انہیں کیا معلوم یہ نوجوان تو سگریٹ کے دھوئیں، شراب کے نشے، موسیقی کی دھنوں اور رقص وسرور کی محفلوں میں گم ہو کر دین ودنیا سے بے نیاز ہو چکا ہے، سر سے پاوں تک مغربی تہذیب کی زنجیر غلامی پہن چکا ہے، اس کا احساس ختم اور غیرت لٹ چکی ہے۔

پیچھے بندھے ہیں ہاتھ مگر شرط ہے سفر　　　کس سے کہوں کہ پاوں کے کانٹے نکال دے

صحراوں میں اذانیں دینے والا آج لب ورخسار کی باتیں کرتا ہے، بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑانے والا گل وگلزار کی باتیں کرنے لگ گیا، توحید ورسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پہ مرمٹنے والا آج حسن کافر کی اداوں پہ مرتا نظر آتا ہے۔حسن اور حسین کو ماننے والا آج طاغوتی قوتوں کے افکار کے سامنے سربسجود ہے، خدا کی بستی کا نگہبان ناخداوں کی خدائی کا قائل ہو گیا، فرعونیت کی فرمانروائی کو مانتا ہے۔جس نوجوان نے حب الہی اور حب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شمع سے اس عالم کو روشن کرنا تھا اور علم توحید اٹھانا تھا وہ مجازی خدا کا پجاری بن گیا، جسے آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم میدان جہاد میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرتا دیکھنا چاہتے تھے وہ نائٹ کلبوں میں راگ آلاپ رہا ہے۔جسے محمد بن قاسم اور ٹیپو سلطان کے نقش پہ چلنا تھا وہ بازار حسن میں طوائفوں کی پازیبوں کی چھن چھن میں مست دبے خود نظر آتا ہے، جسے اتحاد ویکجہتی کی نوید بننا تھا وہ دہشت گردی، انتہاپسندی وقتل وغارت گری کا مصدر نظر آنے لگ گیا۔

بدروحنین کی داستانیں رقم کرنے والے، ٹیپو اور صلاح الدین کی اولاد آج خود کو جارج اور ڈیوڈ کہلانے میں فخر محسوس کرتی ہے، باعظمت

بہنوں کے محافظ آج انہی کی عزتوں کے درپے ہو گئے۔ جس قوم کے نوجوانوں کی شریانوں میں خون کی بجائے پانی دوڑنے لگ جائے اس کے ہاں نصیحت و پیغام جیسے الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔ فہم میں نہیں آتا آج کا نوجوان پیغام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی تصدیق بھی کرتا ہے لیکن پھر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پیغام کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے سے کیوں کتراتا ہے۔۔۔؟ اس پیغام آفاقی کو لاکھوں مرتبہ پڑھا، لکھا اور سنا مگر دل کی حالت بدتر سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ کیوں نہ ہو کیسے نہ ہو کہ ہم نے تو اس پیغام کو اپنے گھروں اور کتب خانوں (لائبریریوں) کی زینت بنا دیا، ہر سال یاد کو تازہ کیا، منافقت کے چار آنسو بہائے اور واپس پلٹ کر گہری نیند سو گئے مگر یاد رکھیے ایک دن یہ بے حسی، ہٹ دھرمی ہماری آنے والی نسلوں کیلیے رونا بن جائے گی۔ آج وہ دن تو آ چکا کہ پوری دنیا میں میرا جسم لہولہو، میری نس نس چھلنی، میرا سر عراق کی تاریخ دہرا رہا ہے۔ کبھی سرزمین کربلا نے ایک سر حسین دیکھا تھا آج سارا عراق مسلمانوں کے سروں کے خون سے رنگیں ہے مگر کوئی ماتم کرنے والا نہیں، کبھی صرف ایک علی اصغر کیلیے زندگی نے آرزو کی تھی آج تو لاکھوں علی اصغر اپنے ہی خون میں غوطے کھا رہے ہیں، کبھی بغداد کی گلیوں میں صرف ایک زینب کی ردا کی داستاں تھی آج مسلم دنیا کی لاکھوں زینبوں کی چادروں اور عظمتوں کی منڈی لگی ہوئی ہے، اب تو اس گلشن کی معصوم کلیوں کو بھی مسلا جانے لگا ہے۔

جو کلمہ پڑھتا ہے بنیاد پرست کہلاتا ہے، داڑھی رکھ لے تو دہشت گرد کہلاتا ہے آخر کیوں۔۔۔؟

میرے کریم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی کرچی کرچی روح ان آنسوؤں کی خراج مانگتی ہے جو آپ نے صحرائے عرب کی تپتی ریت پر اس نوجوان کیلیے بہائے تھے اے روح محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم آپ کی امت کے نوجوان نماز کو یوگا، قرآن کو صرف ایک کتاب اور مکہ مکرمہ کو سیاحت گاہ سمجھنے لگ گئے، آپ کی تعلیمات کو یہ روشن خیال نوجوان پتھر کے زمانہ کی تعلیمات سے تشبیہ دینے لگ گئے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم آپ کی امت کی نوجوان بیٹیوں کی چادریں ان کے سروں کو ڈھانپنے کی بجائے ان کے گلوں کے ہار بن گئی ہیں۔ اسلام کے احکام کو پاؤں کی زنجیر سمجھتی ہیں۔ مغرب کی تہذیب اپنائے سر سے حیا کے آنچل اتارے ایمان کی چادر کا حجاب اٹھا کر خود کو آزاد سمجھتی ہیں، تہذیب نو کے نام پہ غیرت کا جنازہ نکال دیا، سر سے آنچل رخصت ہو گئے، لباس مختصر ہو گئے، حوا کی بیٹی کو اشتہار بنا دیا گیا، نئے ملبوسات دکھانے کے بہانے فیشن شو تک لایا گیا۔۔۔ سورج کی کرنوں سے حیا کھانے والا معصوم جسم ہوٹلوں، کلبوں اور سینماؤں میں اچھلتے نظر آنے لگا، خدا کی قسم! اسلاف کا کوئی دردمند اس عریانی و فحاشی اور بے حسی کو دیکھ لے تو وہ فوراً مر جانے کی تمنا کر بیٹھے گا۔

آج اس کریم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پیروکاروں کی تلاش میں، جب میں گھر سے نکلتا ہوں تو مجھے اس کی آنکھوں پہ پڑے پردے تو نظر آتے ہیں مگر شرم و حیا کے نہیں بلکہ بے شرمی و بے حیائی کی جالیاں ہیں، اس کی سماعتوں سے گونجنے والی صدائیں کسی مدرس کا درس نہیں بلکہ مکروہ گھنگروں کی جھنکار ہے، اس کے پاؤں تلے زمین تو نظر آتی ہے مگر مسجد و درسگاہ نہیں بلکہ بے ہودہ تفریح گاہ ہے۔ اپنے محبوب نبیصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے منسوب کوئی صفت نظر نہیں آتی، صدیق اکبر، فاروق اعظم، ذوالنورین، فاتح خیبر، سیف اللہ اور سید الشہدا کی کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔

وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو   ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار

سپین میں مسجد قرطبہ کے مینار سے سپینش گٹار بجتے ہیں تو بجتے رہیں، اے نوجوان مسلم تم سپینش میوزک انجوائے کرتے رہو، غیروں کی قید میں بند مسلم ایک دوسرے کا لہو پی کر جیتے ہیں تو جیتے رہیں مگر تم منرل واٹر سے منہ دھونے کا کلچر اپنائے رکھو، کشمیریوں کے گھر جلتے ہیں تو جلتے رہیں تم سگریٹ کا کش لگائے انڈین بھجن سنتے رہو، معصوم بہنوں کی عزتیں لٹتی ہیں تو لٹتی رہیں مگر تم بسنت پر کٹی پتنگیں لوٹتے رہو، اور جشن بہاراں مناتے

رہو،ویلنٹائن ڈے مناتے رہو،ہاں جشن بہاراں منانے والو!۔۔۔جشن تو ہوگا۔۔۔جہاں خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے،بہنوں کی عزت لٹتی ہے تو جشن تو ہوگا مگر بے غیرت و بے درد نوجوان کی بددلی و بے حسی پہ،خودداری کے بازار میں بکنے پہ،پیغام محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ٹھکرانے پہ، توہین رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پہ خاموش رہنے پہ جشن تو ہوگا ......ضرور ہوگا ...... ؟

گر غیرت سے خالی نہیں ہے دامن تیرا ......تو پھر پوچھیئے جھنجھوڑ کر ضمیر سے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

میرا اللہ جانتا ہے نجانے کتنے شب و روز ایسے گذرے کہ میرے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فاقہ کشی کی،کتنی راتیں آنکھیں اشکبار،دامن تر،جاگتے روتے اور بارگاہ الہی میں التجائیں کرتے گذریں۔یا اللہ میری امت کو معاف فرما ......یا اللہ میری امت کے حال پہ رحم فرما ... میرے مالک میری امت،میری امت،میری امت..... .....۔

مگر یہ نوجوان اس رنگینی وعیاشی میں ڈوبا ان سب کو اپنی جیب میں پڑے سکے سے بھی کم اہمیت دیتا ہے،سکے کے گر جانے کا تو غم ہوتا ہے مگر دامن مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے کھو جانے کا کوئی مول ہی نہیں۔

میرا تو دل دھڑکتا ہے،آنکھیں نم ہو جاتی ہیں کہ اے نوجوان مسلم میں تجھے کیسے فریاد دوں اور تجھے تیرا بھولا ہوا درس یاد دلاؤں کہ تو اذان تو سنتا ہے مگر نماز کو فرض نہیں سمجھتا،قرآن کو چومتا تو ہے مگر تلاوت کا نام نہیں لیتا،تجھے کیا کہوں تو نے اپنے حقیقی مالک و معبود سے رشتہ توڑ کے دولت و عورت کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔باقی کیا بچ گیا ہے تیری پیشانی سجدوں سے محروم ہے،زبان آوارہ و بیہودگی سے مزین ہے،مغربی تہذیب میں پٹا پیغام محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے میلوں دور ہے،صبح و شام مستیاں آوارہ گردیاں،اسے گالی دے اسے چھیڑ،ادھر جھانک ادھر جھانک تو تیرا مشغلہ ہے،چلنا تو اکڑ کے،بولنا تو بگڑ کے،کھانا تو مچل کے اور میں کیا کہوں تجھے ... ... ؟

اے نوجوان مسلم!درس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو بھلا دیا،دامن مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کھو دیا تو ہمارا حال درختوں سے ٹوٹے ہوئے ان پتوں سے بدتر ہوگا جنہیں یہ بھی نہیں خبر کہ باد مخالف کے آوارہ جھونکے اڑا کے کہاں سے کہاں لے جائیں کیونکہ کہاں بغداد کا شاہی جدل کہاں فلوجہ کی گلیوں میں پنجے گاڑھتا امریکی استبداد،کہاں تخت عثمانیہ کا وارث ترکی اور استنبول اور کہاں یورپی یونین میں داخلے کی سبق آموز کہانی،کہاں سپین میں لنگر انداز ہوتا طارق بن زیاد اور کہاں گوانتاناموبے کی سلاخوں کے پیچھے اسیران نامراد ......بے شمار حوصلہ شکن اور مایوس کن علامتوں کے درمیان ایک بات جو امید افزا ہے وہ میرے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے تعلق اور اپنی کوتاہیوں کا احساس ہے۔جب تک محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کیساتھ محبت کا دھاگہ باقی ہے تب تک ہمارے پاس دلوں کو کھولنے کی کلید موجود ہے جب دل اس بچے کھچے سرمایہ سے بھی خالی ہوگئے پھر ہم مردہ ہوں گے۔

نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پہ مر مٹنے والو!شمع رسالت کے پروانو!آؤ اپنی کھوئی ہوئی عظمت واپس لائیں،ٹیپو،صلاح الدین اور ابن قاسم کے نقش ڈھونڈ پائیں،ہمارے ہر کام میں نمونہ ہمارے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی ذات ہے نہ کہ یورپ کی ننگی تہذیب۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر　　　　خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

مرد مومن کا دل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی محبت کے چراغ سے ہی روشن ہے،ہماری رگوں میں عشق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی چنگاریاں پوری حرارت سے موجود ہیں،اپنی پستیوں کے باوجود انداز عقیدت اس قدر ہے کہ ناموس محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی پاسبانی کیلیے اپنی

جان قربان کرنا فخر سمجھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی غلامی کا تاج پہننے والو! تمہارا ہر میدان میں چرچا ہوگا آو اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی طرف لوٹ آو، ہر کوئی ہیرو کی شکل میں کسی محبوب کی تلاش میں سرگرداں ہے آو اک بے مثل و بے مثال محبوب کو اپنا لیں۔

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست بحر و بر در گوشہ دامان اوست

آو اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہو جائیں اور ایسے معاشرہ کی تشکیل کریں جس میں آہ و بکاہ نہ ہو بلکہ صدائے رب العلیٰ ہو، بچے سہمے ہوئے نہ ہوں بلکہ نغمہ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم آلاپتے نظر آئیں، عصمتیں لٹ رہی نہ ہوں بلکہ آنکھیں جھکی ہوئی نظر آئیں۔۔۔کوئی ام موسیٰ اپنے شیر خوار کو آب نیل کے سپرد کرنے پہ مجبور نہ ہو، کوئی ابراہیم آتش نمرود میں کودنے پہ مجبور نہ ہو۔۔بس ہر سانس ہر دھڑکن اللہ اللہ کی صدا دیتی نظر آئے ......محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے گیت لبوں پہ مچلتے نظر آئیں۔

اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

اے پاسبان اسلام! آو فرقوں میں بٹی اس امت کو سمیٹو، اس امت کے سہارا بنو اور اتحاد امت کی علامت بنو، ہماری خاطر ہمارے کریم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے بہت چلے کاٹے، پوری پوری رات میرے حضور غم امت میں روتے رہے، وقت پیدائش سے لب پہ رہا ......امتی امتی...... آو آج اس درد کی لاج رکھ لیں، آو اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے عہد وفا کریں کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہم سے بھول ہوگئی، ہم بھٹک گئے تھے، آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہم بچھڑ گئے تھے، آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہم لوٹ آئے ہیں ہمیں معاف فرمادو، ہمیں قبول فرمالو، ہمارا جینا، مرنا آقا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے لیے ہوگا...... .ہماری ہر سانس ہماری ہر دھڑکن تیرا نام آلاپے گی .... ہمارا ہر کام تیرے کام کے تابع ہوگا...... ......ہمارا ظاہر باطن تیرے فرمان کے تابع ہوگا.........ہمارے ہاتھ میں صرف تیرا علم ہوگا...... ......صرف تیرے میخانہ کا جام پئیں گے...... ہمارا تن، من، دھن سب آقا ﷺ تیرے نام ہوگا۔

آنکھ کی روشنی و رعنائی کی لئے سرمہ خاک بطحاو نجف لے لو، یہ غیروں کی غلامی کی زنجیروں کو توڑ ڈالو، تم ملت اسلامیہ کی جان ہو، تم پر مغرب کی تمام سازشیں آشکار ہیں۔ مصلحتوں کے دائروں کو مٹادو، خودی سے مزین ہو کر آگے بڑھو اور اس ہچکولے کھاتی کشتی کے ملاح بنو۔ ڈگمگاتی ڈوبتی اس ناو کو سہارا دو۔ اپنے مالک کا نام لے کر اسے ساحل لے چلو، معیشت ہو یا معاشرت ...... .مذہب ہو یا سیاست...... معاملات ہوں یا عبادت...... تمہیں ہی آگے آنا ہوگا، اس قوم کا آخری سہارا اور نظر تمہیں پہ ٹھہری ہوئی ہے۔

سیاست کے میدان میں اترو...... ..مقید و مقلد نہ بنو، قائد بنو.........نیابت، قیادت و سیادت تمہیں ہو۔ مذہب سے دور نہ بھاگو دیں کی حقیقت کو سمجھو...... تمہیں ہو موذن و مجاہد۔ تنظیم و جماعت کے بغیر فرد کو فنا ہے بقا نہیں قطرہ بن سمندر۔

شیخِ کامل

محترمہ نور سحر آسویہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھدآء والصالحین وحسن اولئک رفیقا

ترجمہ :اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ (پ۵۔سورت النساء۶۹)

رب جلیل نے جب اپنے ارادہ ومشیت کے تحت انسان کی تخلیق فرمائی تو ساتھ ہی انسان کی ہدایت و رہنمائی کا انتظام بھی فرمادیا۔اور نبوت جیسے عظیم مرتبے پر ان پاک ہستیوں کو فائز کیا جنہوں نے اپنے اپنے دور میں مخلوق خدا تک ان کے رب کا پیغام پہنچایا اور اسی کی عبادت و بندگی کا درس دیا پھر جن لوگوں نے رب کی توحید اور انبیاء کرام کی رسالت کا اقرار کیا اور ان کی اطاعت وفرماں برداری کی انہیں اپنے قرب ومحبت اور فضل و کرم کی نوید سنائی۔اس کے برعکس جن لوگوں نے انبیاء اکرام کی تکذیب کی اور اپنے رب تعالی کے علاوہ اوروں کو اپنا معبود ومسجود بنالیا۔تو انہیں درد ناک عذاب اور ذلت ورسوائی کی وعید سنائی گئی۔

سب سے آخر میں اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کائنات میں مبعوث فرمایا۔اللہ تعالی نے اپنے محبوب کو کسی ایک قبیلے،ایک شہر،ایک قوم یا کسی ایک خطے کی طرف مبعوث نہیں فرمایا بلکہ ایک ایسا مہتاب بنا کر روشن فرمایا جس نے تا قیامت صرف ایک عالم نہیں بلکہ اٹھارہ ہزار عالموں کو منور فرمانا تھا۔مالک الملک نے جس طرح اپنے حبیب کو خاتم الانبیاء قرار دیا تو اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بھی خیر الامم کا تاج پہنا دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا تو تبلیغ و اشاعت کا عظیم منصب اس امت کو سونپ دیا گیا امر بالمعروف ونہی عن المنکر امت مسلمہ کے ہر فرد کے لئے فرض ولازم قرار دیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ جن برگزیدہ و پاکیزہ ہستیوں نے اس عظیم فرض کو سمجھا اور اپنے پیارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اور غلامی کو اپنا نصب العین جانا وہ آسمان ولایت پر روشن وتابندہ ستارے بن کر چمک رہے ہیں۔جن کی روشنی ہر دور میں حق کے متلاشیوں اور گمراہوں کے لیے مشعل راہ ہے۔

بلاشبہ محبوبان خدا سے عقیدت ومحبت رکھنا اور ان کے نقش قدم پر چلنا بہت بڑی سعادت کی بات ہے کیونکہ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ جن پر رب تعالی اپنے اکرام کی بارشیں نازل فرماتا ہے اور انہیں اپنے انعام یافتہ بندوں میں شامل فرمالیتا ہے۔

چنانچہ سورہ النساء میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

لہذا اللہ تبارک وتعالی ان مقدس ہستیوں کے ذریعہ سے مردہ دلوں کو زندہ فرماتا ہے۔ان کا فیض صرف ظاہری حیات تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ تا قیامت تہہ مزار بھی اپنے انوار وتجلیات سے دنیا کو منور فرماتے رہتے ہیں۔

اس مادہ پرستی اور پرفتن دور میں جب کہ اسلاف کے پاکیزہ تعلق کی مضبوطی میں کمی واقع ہو رہی ہے اور اسلام دشمن عقیدتوں اور اور محبتوں کے اس ہرے بھرے گلشن کو برباد کرنے کی ناپاک کوششیں کر رہے ہیں اللہ تعالی نے سرزمین پاکستان اور خاص طور پر تحصیل شکرگڑھ کو ایک عظیم محقق و

بلند پایہ مصنف، جید عالم دین، اور نورانی وروحانی شخصیت دانشور سے نوازا۔ جس نے اپنی علمی، ادبی اور فکری خدمات سے ایک عالم کو متاثر کیا۔

آپ وہ گوہر نایاب ہیں کہ جن کی چمک سے محبت رسول کی شعاعیں ہر طرف پھیل رہی ہیں۔ آپ نے قلمی وعلمی طور پر اصلاح امت کی جو فضا قائم کی ہے۔ ان شاء اللہ قیامت تک مسلمانوں کے دل ودماغ معطر کرتی رہے گی۔

آپ کا اسمِ گرامی قبلہ علامہ محمد حسین آسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور لقب حضور مفکر اسلام ہے۔ آپ نے اس تفرقہ بازی کے دور میں امت مسلمہ کے پھیلتے ہوئے انتشار کو روکا اور امت محمدی کو منتشر کرنے والوں کو دوٹوک جواب دیا۔ آپ نے خاص طور پر نوجوانان اسلام کی اصلاح کے لیے ایک تحریک شیران اسلام کے نام سے چلائی۔ کیونکہ آپ خوب جانتے تھے کہ نوجوان کسی بھی قوم کا اثاثہ اور سرمایہ ہوتے ہیں۔ آج نوجوان کالج یونیورسٹی وغیرہ میں داخل ہیں تو اپنے دین اور دینی تعلیمات کو نظر انداز کر کے بہت جلد بدمذہبی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن قربان جاؤں اس عظیم محسن کے جس نے جوانی میں کالج کی تعلیم بھی حاصل کی اور نہ صرف اپنا ایمان محفوظ رکھا بلکہ دوسرے نوجوانوں کے دلوں میں بھی ایمان کی شمع وحرارت پیدا کی۔

حضرت صاحب ابھی نویں جماعت میں ہی تھے کہ والد ماجد علیہ الرحمہ کی طبیعت ناساز رہنے لگی۔ ان کی یہ ناسازیٔ طبع ان کے لیے پیام اجل بن کر آئی۔ لہٰذا ابھی آپ زیر تعلیم تھے کہ والد ماجد داغ مفارقت دے گئے۔ جس کی وجہ سے تعلیم جاری رکھنا آپ کے لیے مشکل ہو گیا۔

آپ کے شیخ کریم قیوم زمانی حضور نقش لاثانی قدس سرہ نے آپ کو اپنے سایہ شفقت میں لے لیا۔ جس کی وجہ سے آپ کو رہائشی وتعلیمی مشکلات سے چھٹکارا مل گیا۔ چنانچہ آپ نے جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں داخلہ لے لیا۔ لیکن مرشد کریم کی نگاہ کرم سے آپ نے کالج کی زندگی میں بھی کوئی خلاف شرع کام نہیں کیا۔ یہاں تک کہ آپ نے کالج کی وردی پہننا بھی گوارا نہ کی۔ اس عرصے میں ایک اور بات نہایت قابل ذکر و دلچسپ ہے کہ کالج میں پینٹ پہننا لازمی قرار دے دیا گیا۔ آپ کے لیے یہ بات سخت ناگوار تھی تاہم جب اساتذہ کا اصرار بڑھا تو ایک دن آپ نے ایک عجیب انداز اختیار کیا۔ پینٹ نما پیرہن پہن کر اوپر تہبند باندھا اور کالج چلے گئے۔ چیکنگ کے لیے موجود پروفیسر صاحب نے کہا یہ کیا؟۔ آپ نے تہبند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ رب کا حکم ہے اور دوسرے کپڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ آپ کا حکم ہے۔ (یعنی بولے اب کس کا حکم مانوں) آپ کی دینی غیرت وہمت اور فکر ومزاج میں ایمانی پختگی نے اس شخص کو ہلا کر رکھ دیا۔ معذرت خواہانہ انداز میں کہنے لگے آپ کے لئے آپ کے رب کا حکم ہی کافی ہے۔ سچ یہ ہے کہ شریعت کے احکامات کی تعمیل کا جذبہ دور شباب میں بھی اپنے پورے شباب پر تھا۔ (بحوالہ کتاب 'سیرت حضور مفکر اسلام)

الغرض جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی پسندیدہ بندے کو انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کے لیے منتخب کرتا ہے تو اسے بلند کردار اور عظیم مکارم اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز فرما دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا ہر قول اور ہر فعل دوسروں کے لئے سرچشمہ ہدایت اور ان کی زندگی تمام انسانیت کے لئے مینارہ نور ہوتی ہے۔ آپ کی زندگی کے ہر عنوان میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مرشد کریم کی محبت واطاعت کا رنگ نظر آتا ہے۔ آپ اپنی تمام تر کامیابیوں اور کامرانیوں کو اپنے شیخ کریم کی نگاہ لطف اور دعاؤں کا صدقہ گردانتے ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں:

ہجوم غم میں بھی آسی کو ہم نے مطمئن پایا　　　　کہ اسے شیخ کامل کی دعاؤں پر بھروسا ہے

واقعی یہ آپ پر آپ کے مرشد کامل ہی کی نگاہ کا اثر تھا کہ جنہوں نے آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دی اور آپ کو ثابت قدمی واستقامت کا کوہ گراں بنا دیا اور آپ کے سامنے بڑے بڑے غیر مقلد وبدعقیدہ لوگ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے۔

یہ واقعہ 1964 میں بہاولپور میں پیش آیا لیکچر کے دوران ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر کہا کہ آپ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر وناظر مانتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں بالکل اہل ایمان کا یہی عقیدہ ہے۔ کہنے لگا پھر فورا کرسی سے اٹھ جائیں۔ (کہ اس کے نیچے بھی......

نعوذ باللہ) آپ نے جوابا فرمایا قرآن میں ایک آیت ہے نا کہ:

یسبح لہ ما فی السموات و الارض یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے

اس نے کہا جی بالکل ہے۔ آپ نے فرمایا پھر فوراً زمین پر سے پاؤں بلند کرلو۔ کیونکہ یہ ذرے بھی اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ وہ سخت شرمندہ ہوکر بیٹھ گیا اور حاضرین آپ کی حاضر جوابی اور قوت استدلال سے مسحور ہوگئے۔ (بحوالہ کتاب سیرت حضور مفکر اسلام)

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ کو ملک پاکستان سے بہت محبت تھی۔ کیونکہ پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا۔ اس لیے آپ کی یہی کوشش تھی کہ پاکستان میں اسلامی قانون و اسلامی تعلیمات رائج ہوں اور آپ علیہ الرحمہ پاکستان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تبرک سمجھتے تھے۔ اس لئے اگر کبھی کوئی اسلام و پاکستان دشمن پاکستان کے بارے میں کوئی نازیبا الفاظ کہتا تو آپ اس کا منہ توڑ جواب دیتے تھے۔ آپ ملک پاکستان میں صرف مادی ترقی ہی نہیں بلکہ ایمانی اور روحانی ترقی بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ اس پیارے وطن میں نظام مصطفیٰ کا نفاذ چاہتے تھے اور آپ نے اس عظیم آرزو کو عملی جامہ بھی پہنایا۔ کیونکہ آج سے کچھ عرصہ پہلے ہماری تحصیل میں دینی درسگاہ کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہ تھا۔ اگر کہیں کوئی مدرسہ موجود بھی تھا تو صرف بچوں کا۔ لیکن آپ نے دینی تعلیمات کو ہر جگہ پہنچانے کے لیے جگہ جگہ دینی درسگاہیں قائم کیں اور آج ماشاء اللہ ہر دوسرے تیسرے گاؤں میں آپ کے مدرسہ کی شاخیں موجود ہیں۔ یہ آپ ہی کا فیض ہے اور آپ کی ہی نگاہیں کرم ہے ہے۔ آج ان مدرسوں سے سینکڑوں طلبہ و طالبات مستفید ہورہے ہیں۔ آپ نے بچیوں کی تعلیم کے لیے بھی متعدد درسگاہیں قائم کی۔ جس کا مقصد وطن عزیز کے باسیوں میں اسلامی انقلاب لانا ہے۔ آپ اکثر فرماتے انشاء اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر رحمت سے اچھا دور آنے والا ہے۔ آپ کی ایک حسرت ایک تمنا ایک دعا کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے

"کاش ملت آزاد ہوتی اور اپنا نفع ونقصان سوچ سکتی۔ کاش ملک کی حکومت، جس نظریے کی بنا پر ملک بنا تھا اسے نافذ کرسکتی۔ کاش اس ملک میں ایک موثر قوت ہوتی جو حزب اقتدار اور اختلاف کو بے راہ روی سے روک سکتی۔ کاش ایک اور اقبال کہیں سے آجائے جو ملت کی رہنمائی کرے اور ایک قائداعظم بھی نمودار ہوجائے جو ملت کو یک جان یک دل کردے۔"

آپ کی زوجہ محترمہ قبلہ مائی صاحبہ بھی نہایت پارسا اور تہجد گزار اور سلیقہ شعار خاتون تھیں۔ آپ کے دل میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی اور اپنے مرشد کریم کی بھی بہت نیاز مند اور عقیدت مند تھیں اور اکثر ان کا ذکر خیر فرماتی رہتیں۔ آپ نے بچیوں کی تعلیم کے لیے خاص طور پر توجہ دی۔ آپ نے خواتین میں دینی محافل کا شعور پیدا کیا جس میں بھی شرعی احکامات کو مدنظر رکھا جاتا۔ آپ شرعی علوم میں خاصہ ادراک رکھتی تھیں اور آپ نے خواتین میں مروج غلط عقائد اور ناجائز رسم و رواج کو ختم کرنے کے لیے ان کو بہترین خطابات سے نوازا کرتی تھیں۔ آپ نے تاحیات جامعہ انوار، ثانی برائے طالبات (آستانہ عالیہ حضور مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ) کو بہت اچھے طریقے سے چلایا۔ جن خواتین یا بچیوں نے آپ سے استفادہ حاصل کیا وہ آج بھی اپنے اپنے علاقے میں آپ کے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ آپ پر آپ کے مرشد کریم کی خاص توجہ تھی ان کی روحانیت نے آپ کو خوب نوازا تھا۔

حضور مفکر اسلام قدس سرہ کی ظاہری حیات مبارکہ کے آخری حصے میں جب آپ نہایت علیل رہنے لگیں تو ایک روز حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ نے آپ سے فرمایا کہ لالہ جی پیر سید عابد حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور پوچھا ہے کہ کیا حال ہے؟ نیز فرمایا ہے کہ ان شاء اللہ عنقریب آپ ٹھیک ہوجائیں گی۔ بعد ازاں ایسا ہی ہوا۔ یہ واقعہ پچھلے بزرگوں کی آپ پر توجہ کی ایک جھلک ہے۔ ورنہ کتنے ہی ایسے واقعات رونما ہوئے اور کسی نہ کسی طرح ہم تک پہنچے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے شیخ اور شیخ الشیخ کے ساتھ آپ کا روحانی رابطہ درجہ کمال کا تھا۔ آپ سے کرامات کا صدور بھی ہوا نیز آپ کی دعائیں بھی نہایت سریع القبول تھیں۔ (بحوالہ کتاب سیرت حضور مفکر اسلام)

آپ کی زندگی مسلمان خواتین کے لیے بے مثال نمونہ ہے۔ کیونکہ قبلہ مائی صاحبہ شرعی حدود کے اندر رہ کر حضور مفکر اسلام کے عظیم مشن میں آپ کے شانہ بشانہ رہیں اور دینی خدمات سرانجام دیتی رہیں۔

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ کو ولیوں اور بزرگوں سے انتہا درجے کی عقیدت و محبت تھی اور آپ اکثر مزارات اولیاء پر حاضری دیتے اور ان کے فیوض و برکات حاصل فرماتے۔ ان بزرگوں اور آپ کے مرشد کریم کا ہی لطف و کرم آپ کی زندگی میں شامل حال رہا جنہوں نے آپ کی پاکیزہ ہستی کو دین اسلام کی بلندی کے لئے منتخب فرمایا۔

آپ اگر کسی سے محبت فرماتے تو صرف اللہ اور اس کے رسول کی خاطر اور اگر کسی پر تنقید و تنقیص فرماتے تو صرف اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے۔ باطل و بدعقیدہ فرقوں کے لئے آپ شمشیر بے نیام تھے۔ آپ نے ان کے خلاف قلمی جہاد فرمایا۔ آپ نے ان کی سازشوں کا رخ پھیر کر رکھ دیا تھا۔ جس کی مثال رسالہ حضور مفکر اسلام نمبر ستمبر 2006 میں مدیر مسؤل مجلۃ الحقیقہ محترم جناب ممنون آسوی یوں بیان فرماتے ہیں کہ

''پچھلے دنوں اسلام آباد روزنامہ جناح کے ایڈیٹر کا آپ کو ٹیلی فون آیا کہ ہر شخص پر آپ منفی تبصرہ فرماتے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''تنقید یا تنقیص میرا شیوا نہیں بلکہ جن لوگوں کے فکر و عمل کو امت مسلمہ کے لیے مفید سمجھتا ہوں ان کا تہ دل سے مداح ہوں۔ جو لوگ اس معیار پر پورے نہیں اترتے بلکہ جن کا فکر و عمل اسلام اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہیں ان پر تنقید بھی کرتا ہوں اور قوم کو ان سے بچاتا بھی ہوں۔''

اس مناسبت سے حضور مفکر اسلام کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں

وہی اپنا قائد، وہی اپنا آقا — جو کالا ہے ان کی غلامی میں پورا
وفا کر وفا کر شہ دوسرا سے — نہ بن ان کے اعداء کا بچہ جمورا
ارے ہو نہ ان کی محبت سے باغی — نہ کر دین و ملت کو تو چورا چورا
خدا کی قسم پھوڑ دو اس کی آنکھیں — تصور میں جو ان کے بندوں کو گھورا

آپ دن رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اصلاح میں کوشاں رہنے والے اور ان کو غیروں کی سازشوں اور گھناونے پروپیگنڈوں سے باخبر رکھنے والے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کے ہر طبقے کو جگانے کی کوشش کی اور انہیں ان کے شفیق و محسن آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ احسانات یاد کروائے جو آپ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے ہم پر اس وقت کیے جب ہماری کوئی قدر و منزلت ہی نہ تھی۔ آپ نے مسلمانوں کے مردہ ضمائر کو جھنجوڑا اور انہیں یاد دلایا کہ اگر دین متین سے دور ہو کر اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر انداز کر کے، یہود و نصاریٰ کے طور طریقے اپناؤ گے تو پسماندگی و مغلوبیت تمہارا مقدر رہے گی۔ آپ نے اقبال کی طرح مسلمانوں کو ایک مرکز پر اکٹھا کرنے کی کوشش کی۔ آپ فرماتے تھے۔

''اے امت مسلمہ کے بیٹو اور بیٹیو! کیا تم اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کو بھول گئے، کیا تمہیں وہ وقت یاد نہیں جب تمہیں پتھروں کے سامنے سجدہ ریز کر کے تمہیں ذلیل کیا جاتا تھا۔ تمہارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بتوں کو توڑا اور تمہارا رشتہ تمہارے خالق و معبود سے جوڑا۔ کیا تمہیں وہ وقت یاد نہیں جب تمہارے پاس زندگی کا کوئی دستور نہیں تھا اور انسانیت کا قافلہ کسی گائیڈ لائن کے بغیر زندگی کی تاریک راہوں پر بغیر کسی منزل کے ٹامک ٹوئیاں مارتا ہوا جا رہا تھا۔ تمہارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے رب کی طرف سے تمہیں قرآن جیسا دستور حیات عطا کر دیا۔ جس کی روشنی آج بھی ہر روشنی سے بے نیاز کرنے کے لیے کافی ہے۔ ذرا سوچ کملی والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کتنا بڑا احسان ہے۔'' (حضور مفکر اسلام نمبر 2006)

آج کے دور کے ماڈرن نوجوانوں کو سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل کرتے ہوئے دیکھا تو انہیں دردمندانہ نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''کتنے غضب کی بات ہے کہ اے ملت اسلامیہ کے فرزندو! تمہیں حلیہ پسند آیا تو بش کا جو تمہارا قاتل ہے۔ تمہیں لباس پسند آیا تو انگریز کا جو صدیوں سے تمہارے مٹانے کے منصوبے بنا رہے ہیں اور یہ تمہارے بال تمہارے جسم سے چپکی ہوئی پتلونیں تمہارے سوز اور حیا سوز حرکات و

سکنات اے کاش، تمہیں اپنی پہچان ہوتی۔ اپنے مقصد حیات سے شناسائی ہوتی۔ اپنے خدا کا خوف اور اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم ہوتی۔ اے کاش تم عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہوتے اور کوئی تمہیں ایک انچ بھی مرکز اسلام سے دور نہ کر سکتا۔ اب ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو اخلاص وایمان کا پیکر کا بن کر حضرت امام غزالی، حضرت امام رازی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدست اسرارہم کی طرح میدان عمل میں اتریں اور قوم کے فکر ونظر میں انقلاب برپا کردیں۔ (حضور مفکر اسلام نمبر 2006)

یہ تھی آپ کی دلی آرزو کہ ہم غیروں کی تقلید کرنے کی بجائے صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اپنا محور ومرکز بنائیں۔ آپ نے امت کے بیٹوں کو یہ پیغام دیا کہ اس سے محبت رکھو جس کو اللہ ورسول پسند کرتے ہوں اور ہراس شخص سے دور رہو جو تمہیں تمہارے مقصد حیات سے دور کردے۔ آپ نے اپنی عملی زندگی میں بھی اپنے چاہنے والوں کو یہی پیغام دیا کہ زندگی میں کامیابی وکامرانی ایسے شخص کو حاصل ہوتی ہے جو اپنی قوم وملت کے محسنین کے احسانات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی تعظیم وتوقیر بجالائے اور اپنی زندگی میں کسی کو بھی ان سے مقدم نہ ہونے دے۔ آپ علیہ الرحمہ نے دختران اسلام کو بھی ان کے کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات ونوازشات کی یاددہانی کروائی اور ارشاد فرمایا:

"کتنے غضب کی بات ہے اے قوم کی ماؤں، بہنو، بیٹیو! میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے تمہارے ننگے بدن کو عفت وحیا کے لباس سے آراستہ فرمایا اور تم ہو کہ اس سے محروم ہو کر پھر جنس سربازار رہنا پسند کرتی ہو۔ تمہیں اس بے آبروپر احتجاج کرنا چاہیے تھا نہ یہ کہ خود شوق سے ایک شیطان کے کہنے پر بے پردہ ہو جاؤ۔ ہاں تمہارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے باپردہ کر کے تمہیں تباہی وبربادی سے بچالیا۔ تم نے اپنے آقا و مولا کی کیا قدر کی؟ (حضور مفکر اسلام نمبر 2006)

حضور علیہ الرحمہ نے عورتوں کو آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی طرف راغب کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ آج تمہیں جو عزت جو قدرومنزلت ملی ہے، اسی کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے اور تم نے ان کے اس عظیم احسان کے بدلے میں کیا صلہ دیا؟ کہ آج تم بے حیا اور بدکردار امراء کے حکم پر بے پردگی کا مظاہرہ کرتی ہو۔ کیا تم اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو بھول گئیں، ارے انہوں تو تمہیں شرم حیا کا پیکر بننے کا حکم دیا اور تم ہو کہ بے حیائی وعریانی کو اپنے لئے قابل فخر سمجھتی ہو۔ یہ کہاں کی مسلمانیت ہے کہ دعویٰ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کا کرتی ہو اور تقلید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی کرتی ہو۔ یاد رکھو!

اسی کریم ومہربان آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوا تو عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے لیکن ان کے ساتھ مل نہیں سکتا۔ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ (امام بخاری ومسلم)

حدیث مبارکہ کے آخری حصے پر غور کریں تو معلوم ہوا کہ انسان کا حشر قیامت کے دن انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت رکھتا ہے۔ تو سوچئے آج ہم اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر غیروں سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کے طور طریقوں کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اللہ نہ کرے کل بروز قیامت ہمارا حشر ان کے ساتھ ہوا تو کہیں کے نہ رہیں گے۔ کیونکہ اس وقت آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ ہمارا کوئی مددگار اور سفارشی نہ ہوگا۔ یہی سوچ ہمیں حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ نے پیدا کرنے کی ترغیب دی ہے کہ در در سے دھتکارے جانے سے بہتر ہے کہ ہم ایک ہی در پر پڑے رہیں۔

ابھی محبتوں، جراتوں اور ہمتوں کا یہ قافلہ اپنی منزل مقصود کے لیے رواں دواں تھا کہ آپ نے اس دنیا فانی کو خیرآباد کہہ دیا۔ حضور مفکر اسلام نے پوری زندگی عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں گزار دی اور مرشد کامل کی محبت بھی ہر وقت آپ پر طاری رہتی۔ لہذا آپ اپنی تمام تر صلاحیتوں اور

کاوشوں کو مرشد کریم کی ہی عطاؤں اور دعاؤں کا ثمر قرار دیتے تھے۔ (حضور مفکر اسلام نمبر ستمبر 2006 میں مقرب خاص)

وصال شریف سے پہلے آپ علیہ الرحمہ نعت شریف سن رہے تھے کیونکہ آپ کی خواہش بھی یہی تھی اکثر آپ علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ جب میں اس دنیا سے جاؤں تو اسی محبوب آقا حبیب رب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پڑھتا ہوا جاؤں جیسا کہ آپ کے نعتیہ کلام نغمات میلاد میں ایک نعت شریف جس کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں

میں پڑھتا ہوا نعت دنیا سے جاؤں — ہو جب عمر کا مولا پیمانہ پورا

جو آسی رہی شیخ کی نظر رحمت — تو پا لو نگا میں جنۃ وقصورا

رات دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا درس دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب کچھ قربان کر دو۔ اس سلسلے میں سینکڑوں نوجوان سے آپ نے حلف لیا تھا اس کے بعد دستخط بھی کروائے اس کی تحریر یہ تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کروں تیرے نام پہ جان فدا نہ بس ایک جان دو جہاں فدا

دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا سب کچھ حضور پر قربان۔ از راہ کرم قبول فرمائے۔ (بجاہ حضور نقش لاثانی قدس سرہ)۔ آسی

محترم ممنون حسین آسوی اپنے مرشد کریم کے فراق میں یوں گویا ہوتے ہیں

''غم کے بادل جو امڈ آتے ہیں، حادثے یہ جو غل مچاتے ہیں، حوصلے گویا منہ چھپاتے ہیں، ولولے گویا منہ کی کھاتے ہیں، پاؤں شیروں کے ڈگمگاتے ہیں، بات کرنے سے ہچکچاتے ہیں، خواب سارے بکھرے جاتے ہیں، وہ ہیں کتنے جو کام آتے ہیں، میرا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔ حضور مفکر اسلام یاد آتے ہیں۔''

آپ علیہ الرحمہ اس دار الفناء سے دار البقاء کی جانب روانہ ہو گئے مگر اپنے پیچھے امت مسلمہ کے لیے اچھا خاصہ اثاثہ چھوڑ گئے ہیں۔ جس سے قیامت تک دنیا مستفیض ہوتی رہے گی۔ (انشاء اللہ عزوجل)

زندگی شمع کی مانند جلاتا ہوں ندیم — بجھ تو جاؤں گا مگر صبح بھی کر جاؤں گا

آپ علیہ الرحمہ فنافی اللہ، فنافی الرسول اور فنافی الشیخ کی تمام منازل کو طے کر چکے تھے۔ گویا آپ اپنی حیات مبارکہ کا مقصد ادا کر کے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے

حضرت آسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک ہم عصر عقیدت مند جناب ڈاکٹر قمر تابش نے ان کی عظمت کا اعتراف یوں کیا۔

حضور سید الوری ہوں — میں جامی کی طرح محو ثنا ہوں

اسیر لذت حسن بیاں ہوں — مگر یاروں میں آسی سا کہاں ہوں

ان کے ایک اور عالی قدر تلمیذ اور عظیم مصنف علامہ غلام مصطفیٰ مجددی صاحب نے لکھا

شیخ کامل آسی عالی جناب — علم میں عرفان میں گردوں رکاب

لحظہ لحظہ دو طلبگار رسول — بندۂ بے دام دربار رسول

اللہ تعالیٰ آپ کے سایہ رحمت اور نگاہ کرم کو تا قیامت ہمارے سروں پر قائم رکھے اور آپ کے تمام عاشقین ومعتقدین جو کہ آپ کے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں، اسی طرح اپنے آقا و مرشد سے وفا کرنے کے لیے سرگرم رکھے۔ (آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم)

''شیران اسلام پاکستان'' کے زیر اہتمام اسلام آباد میں

ایک پروقار اور منفرد تقریب ''نمازی بچوں میں تقسیم انعامات''

مرکزی ناظم اعلیٰ (محمد آفتاب احمد)

''بچے اسلام اور پاکستان کا مستقبل ہیں۔ ہمیں عالمگیر چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کے لیے اپنی آئندہ نسل کو اسلام کے مطابق تیار کرنا ہے''

(علامہ حیدر علوی، مرکزی نائب امیر ''شیران اسلام پاکستان'')

''ہم نسل نو تک اسلام کی سربلندی، حفاظت اور ابلاغ کے لیے پہرہ دار کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔'' مرکزی ناظم اعلی

''بے راہ روی کے اس دور میں ہم نہ صرف بچے بلکہ ان کے والدین کو مساجد میں لا کر مساجد کی رونق کو دوبالا کرنا ''شیران اسلام پاکستان'' کا اہم ہدف ہے''۔ (پروفیسر حسیب احمد نظیری، امیر آزاد کشمیر ''شیران اسلام پاکستان'')

''بچوں کی تعلیم و تربیت، انہیں سچا مسلمان اور پاکستانی بنانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے''۔

(سیاسی و سماجی رہنما محمد اقبال خان الخیری)

اسلام آباد کی معروف سیاسی و سماجی رہنماء جناب محمد اقبال خان الخیری صاحب کے تعاون اور ''شیران اسلام پاکستان'' کے زیر اہتمام جامع مسجد المرتضی جی سیون میں ماہ ربیع الاول سے قبل اعلان کیا گیا تھا کہ جو بچے اس مبارک ماہ میں مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں باجماعت مسجد المرتضی جی سیون میں ادا کریں گے انہیں انعام میں سائیکلیں دی جائیں گی اور دیگر قیمتی انعامات بھی دیے جائیں گے۔ اس خبر کے نشر ہوتے ہی سیکٹر جی سیون کے بچوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، وہ بڑھ چڑھ کر اپنا نام درج کروانے لگے۔ محمد اقبال خان الخیری اس مہم کے کوارڈینیٹر مقرر کیے گئے۔

تمیں بچوں نے اس میں حصہ لیا جو کہ بہت زبردست اور حوصلہ افزا تعداد تھی، ماشاءاللہ تمیں بچوں کی مسجد آمد سے مسجد میں اچھی خاصی رونق ہو جاتی تھی، جس سے اس بات کی خوشی ہوتی تھی کہ ہم اپنی اگلی نسل تک دین پہنچا رہے ہیں۔ ان بچوں کی باقاعدہ حاضری لگتی تھی، جس کی ذمہ داری محمد اقبال خان الخیری بڑی باقاعدگی سے نبھاتے رہے، جس پر وہ بھی اللہ کے ہاں یقیناً اجر کے مستحق ہوں گے۔

ان تمیں بچوں میں پندرہ بچے باقاعدگی سے آتے رہے اور ایک بھی نماز میں کمی نہیں کی۔ ان کی باقاعدگی کا یہ عالم تھا کہ یہ بچے اپنی نانی اماں اور دادی اماں کے ہاں خاندانی پروگرامز پر بھی نہیں گئے، جس نے بھی دعوت دی اسے ماہ ربیع الاول کے بعد کا وقت دیا، خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ بچے نماز عصر کے بعد تربیتی کلاس بھی باقاعدگی سے لیتے رہے ہیں اور عبادات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہیں۔ الحمدللہ اس وجہ سے مسجد المرتضی جی سیون میں پورا ماہ ربیع الاول رونقیں لگی رہیں

بالآخر ماہ ربیع الاول کے آخر جمعرات 28 نومبر 2019 بعد از نماز عصر بچوں میں سائیکلوں اور دیگر انعامات کی تقسیم کے لیے ایک پروقار تقریب ''نمازی بچوں میں تقسیم انعامات'' منعقد کی گئی اور ان پابند بچوں میں نئی، اچھی اور معیاری سائیکلیں تقسیم کی گئیں، جنھیں پا کر بچوں کی خوشی دیدنی تھی اور دین پر عمل پیرا ہونے کے جذبات دوگنا ہو چکے تھے۔ دیگر بچوں کو جن کی حاضری میں کچھ کمی تھی، ان میں حاضری کے بقدر انعامات بانٹے گئے جو کہ قیمتی بھی تھے اور اصلاحی بھی۔ جس میں دینی کتب، گاڑیاں اور دیگر اچھی چیزیں تھیں۔

اس کاوش میں سب سے اہم کردار سیاسی و سماجی رہنماء جناب محمد اقبال خان الخیری صاحب کا ہے۔ انہوں نے یہ اقدام اٹھایا اور سائیکلوں و انعامات

کے لیے کافی متحرک بھی رہے۔)

''شیران اسلام پاکستان'' کے زیراہتمام جامع مسجد المرتضیٰ جی سیون اسلام آباد میں منعقدہ ''نمازی بچوں میں تقسیم انعامات'' کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے علامہ حیدر علوی، مرکزی نائب امیر ''شیران اسلام پاکستان'' نے کہا کہ بچے اسلام اور پاکستان کا مستقبل ہیں۔ ہمیں عالمگیر چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کے لیے اپنی آئندہ نسل کو تیار کرنا ہے۔ اسلام اور پاکستان کے خلاف ہونے والی ہر سازش کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ بچوں کی تعلیم وتربیت پر ہر قوم زور دیتی ہے، لیکن اسلام اور مسلمان اس حوالے سے بطورِ خاص حساس ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی تربیت پر بہت زور دیا ہے، اور تربیت میں بھی نماز کو اولین ترجیح دی ہے کہا کہ اگر بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز سکھلاؤ اور پڑھنے کی ترغیب دلاؤ اور دس سال کے ہو جائیں تو ان پر نماز کو فرض عین کر دو، اگر نہ پڑھیں تو سختی کریں، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اللہ کے رسول نے کسی اور معاملہ میں بچوں پر کبھی نہ سختی کی اور نہ کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "دس سال رسول اللہ کی خدمت کی (آپ نے کسی موقع پر) کبھی اف تک نہ کہا۔'' ایسے حلیم الطبع اور بچوں پر مشفق نبی نماز کے مسئلہ پر اگر بچوں پر سختی کا کہہ رہے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں حکم نماز کتنا اہم اور حساس ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بچے بڑے ذوق وشوق سے مسجد میں جایا کرتے تھے، بلکہ جناب عبداللہ بن عمر کہتے ہیں بچپنے سے لے کر کنوارے رہنے تک ہم سویا بھی مسجد میں ہی کرتے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی چھوٹے بچوں کو مسجد میں لانے سے نہیں روکا۔

اس موقع پر مرکزی ناظم اعلیٰ محمد آفتاب احمد نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''شیران اسلام پاکستان'' نے بچوں کی تربیت اور نمازی بنانے کے لیے سائکلز اور دیگر انعامات تقسیم کر کے عالم کفر اور صیہونی قوتوں کو للکارہ ہے جو سوشل میڈیا کے ذریعے غیر اخلاقی مواد اور خرافات کو پھیلا کر ہماری نسل نو کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ محمد اقبال خان الخیری جیسی محب ملک و دین وملت جیسی شخصیات موجود ہیں جو اپنی قوم کے پہرہ دار کی طرح اپنے آپ کو وقف کیے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ حدیث میں آتا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرا دل کرتا ہے کہ میں نماز میں قرأت کو لمبا کروں، پھر میں بچوں کے رونے کی آوازوں کو پاتا ہوں تو میں قرأت کو مختصر کر دیتا ہوں۔'' اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قرأت مختصر کر دی مگر بچوں کو مسجد میں لانے سے منع نہیں کیا۔

''شیران اسلام پاکستان'' کے زیراہتمام ''نمازی بچوں میں تقسیم انعامات'' کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے پروفیسر حسیب احمد نظیری، امیر آزاد کشمیر ''شیران اسلام پاکستان نے کہا کہ موجودہ دور بے راہ روی کا دور ہے، اس میں بچے تو کیا بچوں کے والدین بہت کم مسجد میں آتے ہیں۔ مسجدیں اپنے حجم کے حساب سے تقریبا ویران رہتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بچوں اور ان کے والدین کو مساجد میں لا کر مساجد کی رونق کو دوبالا کیا جائے۔ ''شیران اسلام پاکستان'' نے اس حوالے سے اپنے اہداف تیار کیے ہیں تاکہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کو اسلام اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جوڑنے کا سبب بن سکیں۔ تقریب کی نقابت کے فرائض قاری ایاز عباسی صاحب نے نہایت ہی احسن انداز میں انجام دیئے۔

آخر میں سیاسی وسماجی رہنماء جناب محمد اقبال خان الخیری نے ''نمازی بچوں میں تقسیم انعامات'' کی تقریب کے شرکا بچوں مسجد ہذا کی انتظامیہ کا بھرپور شکریہ ادا کیا اور کہا کہ۔ اسلام اور پاکستان کے خلاف ہونے والی ہر سازش کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور اپنی آئندہ نسلوں کو مغرب کی بجائے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرویدہ بنائیں گے۔ ان شاء اللہ

وقل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

چیئرمین شعبہ ختم نبوت "شیران اسلام پاکستان" پروفیسر عرفان محمود برق دامت برکاتہ کا عظیم کارنامہ اسلام آباد بارایسوسی ایشن کی جنرل باڈی نے مسلمان امیدوار کیلیے بارایسوسی ایشن کی ممبرشپ حاصل کرنے کیلیے عقیدہ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان حلفی لازمی قرار دے دیا۔

(مرکزی ناظم اعلی: محمد آفتاب احمد)

وطن عزیز کی وکلا تاریخ کا سنہری اور یادگار موقع آیا جب اسلام آباد بارایسوسی ایشن کی جنرل باڈی نے مسلمان امیدوار کیلیے بارایسوسی ایشن کی ممبر شپ حاصل کرنے کیلیے عقیدہ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان حلفی لازمی قرار دے دیا۔ الیکشن فارم میں ہر مسلمان امیدوار کیلیے بیان حلفی لازمی قرار دینے کی قرارداد متفقہ طور پر منظور کرلی۔ 06 دسمبر 2019 کو منعقدہ اجلاس میں کسی ایک ممبر نے بھی اختلافی رائے نہ دی۔ اس سے قبل چیئرمین شعبہ ختم نبوت "شیران اسلام پاکستان" پروفیسر عرفان محمود برق دامت برکاتہ نے عقیدہ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھرپور خطاب فرمایا تھا۔ اسلام آباد بار میں پہلی مرتبہ بار کے تمام وکلاء نے شرکت کی اور دل جمعی سے خطاب سماعت فرمایا اور اس سلسلہ میں اپنی تمام تر توانائیوں کو بروئے کار لانے کا عزم ظاہر کیا تھا۔ اسلام آباد بارایسوسی ایشن کی جنرل باڈی نے مسلمان امیدوار کیلیے بارایسوسی ایشن کی ممبر شپ حاصل کرنے کیلیے عقیدہ ختم نبوت (ﷺ) کا بیان حلفی لازمی قرار دینے میں جناب سلیم چشتی ایڈووکیٹ اور چیرمین ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائرز فورم پاکستان جناب عبدالرحیم ایڈووکیٹ اسلام آباد بار کا نہایت ہی کلیدی کردار رہا۔ اس بیان حلفی کے بعد کوئی قادیانی بطور وکیل اسلام آباد بار میں اپنی پریکٹس جاری نہیں رکھ سکے گا۔

حلف نامہ درج ذیل ھے:-

"I____ solemnly swear that I believe in absolute and complete finality of prophet hood of Muhammad (Peace Be Upon Him), the last of the prophets and that I am not follower of anyone who claims to be a prophet in any sense of words or any description whatsoever after prophet Muhammad (Peace Be Upon Him), and that I do not recognize such a claimant to be prophet or a religious reformer, nor do I belong to the Qadiani Group or Lahori Group or call myself an Ahmadi/Marzai and I believe that Mirza Gulam Ahmed Qadiani was an apostate, liar and hypocrite.

*provided that all non-Muslims shall be exempted from the filling of above affidavit."

یہ حلف نامہ اسلام آباد بارایسوسی ایشن کے ممبر شپ فارم اور الیکشن فارم کا حصہ بن چکے ہیں۔ اسکے لیے بارایسوسی ایشن کے رولز میں تبدیلی کردی گئی ہے۔ مزید اسلام آباد بارایسوسی ایشن کی جنرل باڈی نے موجودہ تمام ممبران کیلیے بھی مذکورہ بالا بیان حلفی 31 دسمبر 2019 تک جمع کروانا ضروری اور لازمی قرار دیا ہے بصورت دیگر ان کی ممبر شپ خارج کردی جائے گی۔ اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ سابق تمام وکلاء سے 31 دسمبر 2019 بیان حلفی لینا قرارداد کا حصہ نہ تھا مگر جنرل باڈی نے متفقہ طور پر اسے قرارداد کا حصہ بنا کر منظور فرمایا۔

6 دسمبر 2019 کا دن یقیناً وکلاء کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا جب اسلام آباد بار کا ہال درس عقیدہ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام کریں گے غلام ہیں غلام ہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہیں کے فلک شگاف نعروں سے گونجتا رہا۔ یقیناً آج ڈرامہ بازوں کے پیروکاروں کو ظاہر کرنے کا اعلان کر کے اسلام آباد بارایسوسی ایشن نے عاشقان رسول ہونے کا عملی ثبوت دیا۔

اس موقع پر چیرمین ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائرز فورم پاکستان جناب عبدالرحیم ایڈووکیٹ نے تمام معزز ممبران بار کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں فخر محسوس کرتا ھوں کہ میں ایک ایسی بارایسوسی ایشن کا ممبر ہوں جو ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایشو پر ہر لمحہ ہراول دستہ کا کردار ادا کر رہی ہے۔ اللہ پاک وطن عزیز کی ہر بارایسوسی ایشن کو اسلام آباد بارایسوسی ایشن کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین!

Reg No: C.P.L.208

Monthly Mujjalah

AL-HAQIQA

January 2020

